(۱) فضائلِ قرآن مجید بیان کرنے والا (۲) غیر مسلموں یعنی آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب دیکر انہیں دعوتِ اسلام دینے والا - (۳) باشندگانِ پاکستان کو عربی زبان سکھانے والا (۴) مستشرقین کے خیالات پر تحقیقی تبصرہ کرنے والا ماہنامہ!

احمد نگر - ربوہ - ضلع جھنگ

پاکستان

ایڈیٹر

ابو العطاء الجالندھری

سابق ایڈیٹر رسالہ عربی "البشریٰ" فلسطین

التعليم اللدنى

عندما يسمو الانسان بنفسه عن بلبال الحياة الدنيا ، مفكرا بالاء هذا الكون - فكونه مخلوقا يشعره بضرورة وجود الخالق الذى أحاط علمه كل شيئ . ثم ان ضعف الانسان ، يضطر صاحبه للاعتراف بعجزه عن التوصل لادراك ماهية نفسه و فنون تهذيبها وعلاجها على الوجه الاكمل الصحيح -

وكلما ازداد الانسان تحليقا فى عالم الفكر ، كلما واجهته امور كانت غائبة عن ذهنه كأن يلاحظ انه مادام مخلوقا ، فلا بد من مقصد خلق لاجله ، والا فمن السخف القول انه خلق عبثا ولا من غاية وراء خلقه - ومن ، ثم فاذا سلم بالغاية ، تورط فى معضلة اخرى ألا وهى البحث عن هذه الغاية والسعى لادراكها لسلوك السبيل الموصلة اليها ، وليقوم اعماله واقواله على ضوئها وشعاعها - وهكذا يخوض المفكر لجج الارآ - ويوجد النظريات ، ويساهم فيما يعرف بالفلسفة - والارآء الفلسفية كثيرة متشعبة تختلف باختلاف المواضيع والرجال لتفاوتهم فى القوى والعقول -

ووجود الفلسفة نفسها يحوجنا للاعتراف بحاجة المخلوق الى هداية الخالق فى كل شيئ خصوصا فى معرفة الصراط الموصل الى الغاية التى رسمها لنا و خلقنا لتحقيقها والا فلو لم يكن الامر كذلك وكان بامكان المرء الاهتداء بنفسه ، لما وجدنا اختلاف المتفلسفين ، وتشعب افكار المفكرين فى موضوع من المواضيع - ويأتينا كتاب الله الفرقان المجيد ، فيقول كلمة الفصل ، ويعلن بكل قوة ان (ربنا الذى أعطى كل شيئ خلقه ثم هدى) - والمعنى ان الربوبية الكاملة اختصت بها الذات الالهية ، فالله هو الرب الحقيقى ، وهو الخالق لجميع المخلوقات على اختلاف اجناسها ، وهو الذى اودعها الخواص التى تستكمل بها صورتها الغائية - وعليه يستحيل علينا أن نجد غيره من يوصل هذه المخلوقات جميعها الى الاهتداء الى هذه الخواص التى هى من مقتضيات الفطرة الا بهدايته وارشاده - أو قولوا معنى بالفاظ اخرى انه لولا الهداية الربانية ، لما كان بامكان انسان واحد التوصل الى مقتضيات فطرته على الوجه الاكمل الاتم ولكان اكب الانسان على عقله القاصر ، فذهب به هذا العقل مذاهب شتى كما حدث لحضرات الفلاسفة والمتفلسفين ومن الحق ان نقول ان سلسلة الانبياء وماحملته الى العالم من الشرائع ، انما كانت مصداق قوله (ثم هدى) - وكيف نزلت الشرائع ؟ ومن أين تعلم الانبياء والمرسلون ؟

الجواب انهم علموا من لدن حكيم عليم - أى ان الانجيل والزبور والتوراة ، انما كانت علومها من لدن الله تعالى مباشرة ، وجاء القران المجيد ، فكان اكمل التعاليم اللدنية لفظا و معنى -

هذا تمهيد اتيت به لالفت الانظار الى ان التعليم لايكون على مقاعد الدرس ، وفى سطور الكتب وحدها ، بل بامكان الانسان التعلم من لدن الله العليم ايضا حيث العلم الصحيح ، والعصمة عن الخطأ يمكن التعلم من الاله الذى علم من قبل ، آدم وابراهيم ونوحا وموسى وعيسى و محمدا واحمد من انبيائه المرسلين عليهم صلوات الله اجمعين -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا الفرقان کے متعلق تازہ ارشاد!

سالانہ جلسہ ۱۹۵۵ء کے موقعہ پر ۲۸ دسمبر ۵۵ء کو تقریر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

"پھر رسالہ الفرقان ہے جو انصار اللہ کا آرگن ہے۔ انصار اللہ کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے دین کی مدد کرنے والے لیکن اگر انصار اللہ اپنے رسالہ کی بھی مدد نہیں کر رہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کیا خدمت کرنی ہے میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ ۳۰۔۴۰ ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ انصار اللہ کو اپنی ذمہ واری کا پورے طور پر احساس نہیں ہے۔"

(الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

نوٹ:- الفرقان کا سالانہ چندہ صرف پانچ روپے ہے۔

منیجر الفرقان۔ ربوہ۔ پاکستان

طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا

جلد ۶ | الفرقان تعلیمی نمبر ۔ جنوری ۱۹۵۶ء | نمبر ۱

فہرست مندرجات

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ الفرقان کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی سات تاریخ ہے
(۲) رسالہ الفرقان کا زرِ مبادلہ پاکستان و ہندوستان کے لئے پانچ روپے اور دیگر ممالک سے بارہ شلنگ مقرر ہے۔
(۳) رسالہ کا چندہ پیشگی مینجر الفرقان ربوہ کے پتہ پر آنا چاہیئے یا وی پی کے لئے لکھنا چاہیئے۔
(۴) تاریخ اشاعت سے دو ہفتہ کے اندر مطالبہ پر خریدار کو دوبارہ رسالہ بھیجا جا سکتا ہے بشرطیکہ اُسے رسالہ نہ پہنچا ہو ورنہ قیمتاً طلب فرمائیں۔

نوٹ:۔ جنوری ۱۹۵۶ء کا رسالہ جناب جنرل پوسٹماسٹر صاحب لاہور کی طرف سے رجسٹریشن نمبر نہ آنے کی وجہ سے دیر سے روانہ ہو رہا ہے۔

—— مینجر الفرقان ۔ ربوہ

سالانہ چندہ:۔ پانچ روپے
قیمت پرچہ ہذا:۔ بارہ آنے

قرآن کریم ایک مکمّل ضابطۂ زندگی ہے

قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم بائبل سے بھی اعلیٰ ہے'

ایک مغربی محقّق کا اعلانِ حق!

قرآن مجید علوم و معارف کا خزانہ ہے۔ اس کی ابتداء ہی تعلیم کے مضمون سے ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی اِن الفاظ میں نازل ہوئی۔

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَءْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○

خدا کے نام سے جو خالق و رب ہے ماموریت کا پیغام پہنچائیں۔ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ تیرا رب تمام عزتوں کا مالک ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم کا انتظام کیا ہے۔ پس تو اسی کے نام سے پیغام پہنچا۔

قرآن مجید کے نزول کے وقت سرزمین عرب ہر طرح سے جہالت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ اہلِ عرب علم سے کوسوں دُور تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں اس مقدس النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں جس نے توحید کی صدا بلند کی اور ساری قوم کو بلکہ ساری دنیا کو علم کے زیور سے آراستہ کیا۔ قرآن مجید کی برکتوں میں سے ایک عظیم الشان برکت یہ ہے کہ عربوں نے علم سیکھا۔ دینی بھی' دنیوی بھی۔ وہ نہ صرف خود تعلیم یافتہ بنے بلکہ انہوں نے ساری دُنیا کو علم کے آبحیات سے بہرہ ور کیا اور علم کی مشعل سے دُنیا کے تاریک سے تاریک کونوں کو روشن اور منور کیا۔

عالَمِ اسلام میں جملہ امور و مسائل کی بُنیاد قرآن مجید پر ہے۔ نمازوں میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ معاملات اور باہمی تعلقات میں اس کی ہدایات واجب الاتباع سمجھی جاتی ہیں۔ دوستوں اور دشمنوں' اپنوں اور بیگانوں سے سلوک کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تمام جزئیات زیرِ غور آتی ہیں۔ اس طرح سے قرآن مجید کے لامتناہی علوم کا خزانہ سامنے آجاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح یہ کُرۂ ارض نسلِ انسانی کی تمام ضروریات کو پورا کر رہا ہے اور اس کے مخفی خزانے نئے سے نئے رنگ میں انسان کی مادی ضرورتوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید انسان کی تمام علمی اور معنوی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ضامن ہے۔ دُنیا پر آنے والا ہر انقلاب اپنے ساتھ کچھ نئے مسائل لاتا ہے اور ہر تغیر کے بعد کچھ نئی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان انسانی ضروریات کیلئے عالمگیر آسمانی کتاب میں وہ تمام ہونی ضروری ہے۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ

بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (الفرقان) کہ ہر ضرورت کیلئے میں اپنے اندر ہدایت اور تعلیم رکھتا ہوں اور مجھ سے زیادہ اچھی اور بہتر تعلیم پیش نہیں کی جا سکتی۔ انسانوں کو اِدھر اُدھر چکر لگانے کے بعد آخر میری تعلیم کی طرف ہی رجوع کرنا پڑیگا۔

چودہ ۱۴۰۰ سو سال سے قرآن مجید کا یہ دعویٰ ایک چٹان کی طرح قائم ہے۔ زمانہ کے حوادث اور واقعات اسے اپنی جگہ سے انچ بھر بھی سرکا نہیں سکے آج بھی اس کا یہ چیلنج قائم ہے۔ دُنیا کے سارے مفکر، سارے مدبر اور سارے مقنن ملکر بھی قرآن جیسی تعلیم پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ بلکہ اہلِ فکر جوں جوں قرآن پاک پر غور کرتے ہیں انہیں اس کے مضامین کی اہمیت، اس کے قوانین کی وسعت، اس کے انداز و اسلوبِ بیان کی دلربائی اور اس کی اخلاقی تعلیم کی افضلیت و برتری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی مشہور کتاب The wisdom of the Quran موجود ہے۔ اس پر انٹروڈکشن لکھتے ہوئے پروفیسر John Naish ایم۔اے (آکسن) تحریر کرتے ہیں:۔

"The Quran discusses a great variety of subjects within the total of its pages. It is a code of morals and of social and religious philosophy. It contains materials for the construction of systems of law and jurisprudence, as it does also maxims and principles of dogma and of faith. Rules for the conduct of domestic and collective life are to be found in it. It is full of eschatological information and offers us many ontological data. Polemics also take up much space in it. The decisive events which occured during the nascent development of Islam have also their places in the Quran, which thus shows us the historical aspect of the struggles and changes of fortune experienced by the faithful during this early period. Promises and threats conceived in the true Biblical spirit abound in the text.

In several chapters the Quran enlarges on the ancient prophets and discusses at some length the religious and moral aspects of their characters. The ethical teaching which thus emerges is far superior to anything which we learn about them from the pages of the Bible. This is, by the way, most probably the reason why the Musulman is inclined to look on all the prophets with equal veneration, since they are all regarded by him as having been illumined by the the spirit and by the light of the Divine."

قرآن میں قسم ہا قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یہ اخلاقی، معاشرتی اور دینی فلسفہ کا ایک ضابطہ ہے۔ اس میں جہاں عقائد اور ایمانیات پر بحث کی گئی ہے وہاں اس کے اندر ایسا مواد بھی موجود ہے کہ جس کی مدد سے انسانی حقوق متعین کرنے کے علاوہ مختلف قسم کے قوانین بھی وضع کئے جا سکتے ہیں۔ پھر گھریلو اور جماعتی زندگی کے اصول بھی اسمیں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حیات ما بعد الموت سے متعلق معلومات سے بھر پور ہے۔ اسی طرح موجوداتِ عالم کی کنہ و کیفیت سے متعلق بھی اس میں کچھ کم معلومات نہیں ہیں۔ دینی مسائل میں بحث و تمحیص کو بھی کافی جگہ دی گئی ہے۔ اسلام کی ابتداء اور اس کی بتدریج ترقی کے زمانہ میں جو اہم اور فیصلہ کن واقعات رونما ہوئے قرآن میں ان کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح اس ابتدائی دور میں مسلمانوں کو جو جدوجہد کرنا پڑی اور جن حالات میں سے گزرنا پڑا ان کا تاریخی پہلو ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ قرآن میں بائبل کے انداز اور طرز بیان کے عین مطابق بشارات اور انذار کا بھی جا بجا ذکر موجود ہے۔

قرآن کی متعدد سورتوں میں گزشتہ انبیاء کے حالات بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جن میں ان کی سیرت و کردار کے دینی اور اخلاقی پہلوؤں کو بڑی حد تک اُجاگر کیا گیا ہے اس طرح قرآن کے صفحات میں جو اخلاقی تعلیم ہمارے سامنے آتی ہے وہ بائیبل کی پیش کردہ تعلیم سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان تمام انبیاء کا یکساں طور پر احترام کرتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ان سب کو آسمانی نور

سے حصہ روا فرما تھا۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ عیسائی محققین کو بھی قرآن مجید کی تعلیم کی برتری کا اقرار ہے۔ قرآنی تعلیم کا تجزیہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق جامع تعلیم دی ہے اور تمام ادوار و حالات کے لئے ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود بھی قرآنی تعلیم کو سمجھیں اور اُسے اپنائیں اور پھر تمام غیر مسلموں تک بھی اسے پہنچائیں۔ تا خدا تعالیٰ کا وعدہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ جلد سے جلد پورا ہو۔ آمین +

راست بیانی کی تازہ مثال

المنیر اور طلوعِ اسلام کیلئے قابلِ توجہ

جماعت اسلامی کے ہفت روزہ المنیر لائل پور میں "مولانا عبدالغفار حسن صاحب" لکھتے ہیں:۔

"طلوعِ اسلام اپنی اشاعت مورخہ ۱۹ جون ۱۹۵۵ء میں لکھتا ہے کہ "جماعت اسلامی کے نزدیک اِن کے ہر معاملہ میں سند ان کے امیر مودودی صاحب ہیں۔ چنانچہ جب وہ جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں قید ہوئے ہیں تو اس جماعت کے قیم محترم طفیل محمد صاحب نے ان کے متعلق لکھا تھا کہ مولانا اس زمانہ میں اسلام کی ایک مانی ہوئی ہستی تھے اور اسلام کے ہر مسئلہ میں مستند تھے اور مستند ہیں۔" (قاصد کشمیر نمبر بحوالہ الفرقان بابت مئی جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۱)

قیم جماعت اسلامی کی طرف منسوب کردہ عبارت قاصد کشمیر میں تلاش کی گئی لیکن ناکامی ہوئی۔ احتیاطاً الفرقان لکھنؤ بابت ماہ مئی جون بھی دیکھا گیا لیکن اس میں بھی یہ حوالہ نہیں ملا۔

نہ معلوم الفرقان سے "کونسا الفرقان" مراد ہے۔ بہرحال طفیل محمد صاحب نے اس قسم کی عبارت قاصد کشمیر نمبر تو کجا کہیں بھی نہیں لکھی ہے اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی رکن اس نظریہ کا قائل ہے۔

کیا ادارہ طلوعِ اسلام اس کا صحیح حوالہ دے سکتا ہے؟ اور اگر یہ الزام غلط ہے (اور واقعۃً غلط ہی ہے) تو کیا اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ وہ اپنی اس غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کرے۔"

المنیر لائل پور
۱۱ جنوری ۱۹۵۵ء

الجواب

ہمیں حیرت ہے کہ اتنے بڑے مولانا صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ رسالہ الفرقان ربوہ سے شائع ہوتا ہے حالانکہ المنیر میں اس الفرقان کا متعدد مرتبہ ذکر آ چکا ہے۔

مولانا حسن صاحب اور دیگر اسلامی جماعت کے اراکین کی آگاہی کیلئے عرض ہے کہ یہ حوالہ اخبار طلوعِ اسلام کراچی نے الفرقان ربوہ بابت مئی جون ۱۹۵۵ء یعنی جماعت اسلامی نمبر ص۹۱ سے نقل کیا ہے جسے ہمارے فاضل نامہ نگار مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے پیش کیا تھا۔

یہ حوالہ "میاں طفیل محمد صاحب قیم جماعت اسلامی" کے مضمون "مسئلہ کشمیر اور جماعت اسلامی" میں موجود ہے۔ روزنامہ قاصد لاہور کے کشمیر نمبر مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۸ء کے ص۱ پر یہ الفاظ ہیں:۔

"پاکستان، ہندوستان، آزاد قبائل اور کشمیر ہر جگہ کے لوگوں کے نزدیک مولانا (ابوالاعلیٰ صاحب) اس زمانہ میں اسلام کی ایک مانی ہوئی ہستی تھے اور اسلام کے ہر مسئلہ میں سند تھے اور رہیں۔"

اخبار قاصد کا کشمیر نمبر ہمارے پاس موجود ہے اگر جناب ایڈیٹر صاحب المنیر چاہیں تو انہیں دکھا سکتے ہیں۔ مولانا حسن صاحب بھی اب

چار سوالات اور اُن کے جواب

(۱) "مَیں ایک غیر احمدی نوجوان ہوں اور اپنے ایک احمدی دوست کی وساطت سے مختصر سے احمدی لٹریچر اور "الفرقان" کے چند شماروں سے متعارف ہوں۔ اپنے اب تک کے مطالعہ اور انفرادی گفتگو سے مَیں جو کچھ سمجھ پایا ہوں وہ یہ ہے کہ احمدی حضرات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو نبیؐ آخری نہیں مانتے بلکہ ان کے بعد بھی نبیوں کی مزید آمد کے قائل ہیں اور اسی وجہ سے وہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آنجہانی کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ بہر حال مَیں کوئی عالم نہیں جو اس سلسلہ کی علمی بحث میں پڑوں۔ ہاں! ایک بات ہے جو مجھے پریشان کر دیتی ہے یعنی ایک طرف تو مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ آنحضرتؐ کو آخری نبی نہیں مانا جا رہا ہے اور دوسری طرف احمدی لٹریچر کے بعض اس طرح کے جملے میری نظر سے گذرتے ہیں:۔

"احمدی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں ......" (بحوالہ الفرقان جولائی ۱۹۵۸ء ص۲ "ایک مقدمہ کا فیصلہ" کا ستر ھواں سطر)

امید کہ بزرگانہ شفقت سے مسئلہ کو آسان کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔"

الجواب۔ جماعت احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک آپ ان معنوں میں آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آسکتا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے آخری اتھارٹی ہیں۔ آپ سے بڑا نبی نہیں ہوسکتا اور آپ سے الگ ہو کر کوئی شخص روحانی انعامات نہیں پا سکتا۔ اور کوئی شخص آپ کی لائی ہوئی شریعت کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ قرآن مجید کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والوں کے لئے نبوت، صدیقیت، شہیدیت اور صالحیت کے انعامات مل سکتے ہیں۔ یہ جماعت احمدیہ کا مسلک ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ نبی اللہ دنیا میں آئیں گے۔ اور اس وقت ان کی وفات ہوگی۔ گویا ان کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ آخری نبی ہوں گے۔ ہاں ہمارے اور غیر احمدیوں کے عقیدہ میں اتنا فرق ضرور ہے کہ ہم یہ سب انعامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کے لئے جاری سمجھتے ہیں مگر غیر احمدی علماء ایک مستقل نبی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۲) "سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ اس واقعہ سے کیا مراد ہے؟"

الجواب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بحیرۂ قلزم اور دریائے نیل کے مقام اتصال کے پاس سے بنی اسرائیل کو لیکر باذنِ الٰہی گذر رہے تھے اور فرعونی ان کا تعاقب کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰؑ نے سمندر پر اپنے عصا کو مارا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں راستے بن گئے تھے۔ اور چونکہ وہ مقام جھیلوں کی جگہ تھی اسلئے گذرنے والوں کو پانی علیحدہ علیحدہ ٹیلوں کی شکل میں نظر آتا تھا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم الشان نشان تھا۔ مدوجزر کی وجہ سے ایسے علاقوں میں ایسی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ ایک خاص نشان تھا۔

(۳) "سورۂ یوسف کے رکوع ۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولما بلغ اشدہ اٰتینٰہ حکمًا و علمًا و

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اسی طرح سورۃ القصص کے دوسرے رکوع کے شروع میں قریباً قریباً اِن ہی الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔

اِن آیات کی تلاوت کرتے ہوئے مجھے اکثر یہ حیرانی ہُوا کرتی ہے کہ اِن دونوں انبیاء کرامؑ سے کونسے ایسے افعال سرزد ہوئے تھے جو اِن کو محسنین کی ذیل میں لے آتے ہیں؟"

الجواب ۔ جملہ انبیاءؑ معصوم ہیں۔ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے مختلف پاکیزہ خصائل کا تذکرہ ہے جن میں سے ایک خاص خوبی یہ ہے کہ انہوں نے نہایت مخالف حالات میں انتہائی عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کی ہے۔ ان کا فقرہ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ کتنا پیارا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کی حمایت اور مظلوم کی اعانت میں اپنی جان کو سخت خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ وہ کمزور مخلوق کے ہمیشہ معاون و مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ علاوہ دیگر عمدہ صفات کے ان کی یہ ایک عظیم الشان خوبی تھی۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ مُحسِن قرار دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو انسان کے مخفی در مخفی ارادہ اور کام کو بھی جانتا ہے۔ احسان کا لفظ بہت وسیع ہے۔ ہر کام کو خوبی سے سرانجام دینا بھی احسان قرار پاتا ہے۔

(۴) "ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی کسی نہ کسی رنگ میں خبر دیتا رہا ہے۔ مرزا صاحبؑ کا بھی دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ اب مرزا صاحب کو نبی تب مانا جائے گا جبکہ انہوں نے اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشگوئی کی ہو۔"

الجواب ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مختلف کتب میں یہ خوشخبری دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام روحانی نعمتوں کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ وہ صالحیت، شہیدیت، صدیقیت اور نبوت کو پا سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن معنوں میں خاتم النبیین قرار دیا ہے کہ آپؐ کی روحانی توجہ نبی تراش ہے اور آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے ظاہر ہے کہ یہ حقیقت تبھی معرضِ وجود میں آسکتی ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے عملی مظاہر پیدا ہوتے رہیں۔

یہ درست ہے کہ اکثر انبیاء کے متعلق ثابت ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے نبی کے متعلق کسی نہ کسی رنگ میں بشارت دیتے رہے ہیں مگر درحقیقت یہ لازمی امر نہیں ہے تاہم یہ درست ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں یہ فرمایا کہ "اے قادر اور کامل خدا! جو ہمیشہ نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا ہے اور ظاہر ہوتا رہیگا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷) وہاں آپ نے اپنے بعد بعض معیّن وجودوں کے ظاہر ہونے کی خبر بھی دی ہے چنانچہ ازالہ اوہام میں حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:-

"اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔" (ازالہ اوہام حصہ اوّل ایڈیشن اوّل صفحہ ۱۵۶ ایڈیشن دوم صفحہ ۱۷۵)

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے بعض وجودوں کی خبر دی ہے اسلئے سائل صاحب اپنے مسلّمہ معیار کے مطابق بھی آپؑ پر ایمان لانے کے لئے مکلّف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ✦ ۔

جماعت احمدیہ کی اشاعتِ علوم کے لئے شاندار جدوجہد

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی تقریر بموقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء

(مرتبہ مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی واقفِ زندگی)

جماعت احمدیہ کے زیرِ انتظام اور زیرِ نگرانی اسوقت تک اتنے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں کہ اس مضمون کے لئے نوٹ لیتے ہوئے مجھے بھی حیرت ہوئی کہ باوجود غربت اور مفلوک الحالی کے ہماری جماعت کس جواں ہمتی سے ان اداروں کو کامیابی کیساتھ چلا رہی ہے۔ اگر ان اداروں کے اخراجات کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے تو طبائع پر ان کا زیادہ اثر نہیں ہوتا لیکن ان سب کے مجموعی اخراجات کو دیکھا جائے تو یقیناً سنجیدگی سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں یہ جماعت کا ایک عظیم الشان اور حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

جماعت کے تعلیمی اداروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) دینی ادارے (۲) دنیوی ادارے۔ پہلی قسم کے اداروں میں سے مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کے ادارے ہیں۔ یہ ادارے خالص مذہبی اور دینی نقطۂ نگاہ سے جاری کئے گئے ہیں۔ جامعۃ المبشرین میں پاکستان اور دوسرے ممالک کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اسی ادارہ کے سپرد ہے۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے سپرد جامعۃ المبشرین میں داخلہ کے لئے طلباء کو تیار کرنا ہے۔

ان کے مقابل پر دنیوی تعلیم کے ادارے ہیں۔ پاکستان میں جماعت کے ان اداروں کو چھوڑ کر جو احباب جماعت یا انجمنیں چلا رہی ہیں جماعت کی براہِ راست نگرانی اور انتظام میں چلنے والے دنیوی تعلیم کے ادارے یہ ہیں:-

(۱) تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ (۲) تعلیم الاسلام کالج ربوہ (۳) نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ (۴) جامعہ نصرت ربوہ (۵) تعلیم الاسلام ہائی سکول گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ۔ (۶) نصرت گرلز ہائی سکول سیالکوٹ شہر۔

پاکستان کے علاوہ دوسرے سات ممالک میں بھی بعض تعلیمی ادارے جاری کئے گئے ہیں جو نہایت کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اسوقت تک انکی تعداد تیس تک پہنچ چکی ہے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

۱۔ گولڈ کوسٹ مغربی افریقہ۔ انٹرمیڈیٹ کالج اسکول ۱۱

۲۔ نائیجیریا	سکول	۱۰
۳۔ سیرالیون	"	۴
۴۔ مشرقی افریقہ	"	۱
۵۔ سنگاپور ملایا	"	۱
۶۔ فلسطین	"	۱
۷۔ انڈونیشیا	"	۱

ان تمام اداروں کے اخراجات کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کیلئے میں گزشتہ سات سال کی ایک یونٹ مقرر کرتا ہوں۔ کیونکہ پارٹیشن کے بعد ۱۹۴۸ء تو قریباً انتقال مکانی میں ہی گزرا۔

باقی سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے جامعۃ المبشرین کے علاوہ پاکستان کے تعلیمی اداروں پر سولہ لاکھ پچاس ہزار دو سَو بیالیس روپے ایک آنہ خرچ کیا ہے۔ جامعۃ المبشرین کے صحیح اعداد وشمار مجھے نہیں مل سکے (یہ ادارہ تحریک جدید کے ماتحت ہے) لیکن ایک عام اندازہ کے مطابق اس پر دو لاکھ اسّی ہزار روپیہ خرچ کیا جاچکا ہے۔ گویا مجموعی طور پر پاکستان میں قائم شدہ جماعت کے تعلیمی اداروں پر گزشتہ سات سال کے قلیل عرصہ میں ۱۹ لاکھ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی جاچکی ہے۔ بیرونی ممالک میں قائم شدہ تعلیمی اداروں پر جماعت سات لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ کر رہی ہے۔ ان سب اخراجات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کی میزان ۷۰ لاکھ روپیہ سے زیادہ بن جاتی ہے اور یہ کوئی معمولی رقم نہیں خصوصاً اس جماعت کیلئے جس کو ۱۹۴۷ء میں اپنا مرکز چھوڑنا پڑا۔ دُنیا داروں کی نگاہ میں اس کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا تھا اور مرکزی چندوں کی آمد لاکھوں روپیہ سالانہ سے گر کر چند سَو روپیہ سالانہ پر آ رہی تھی مقامی لوگ جنہیں ہجرت کی تکالیف برداشت نہیں کرنی پڑیں انہیں ان مصائب اور تکالیف کا اندازہ نہیں ہوسکتا جو اس جماعت کو پیش آئیں۔ ہاں وہ لاکھوں لوگ جنہیں مشرقی پنجاب چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا خوب جانتے ہیں کہ یہ سات سال کا عرصہ مہاجروں نے کس طرح گزارا ہے لیکن کہاں یہ دُنیا داروں کی نظر میں پٹی ہوئی اور تباہ شدہ جماعت اور کہاں خدا تعالیٰ کا یہ فضل کہ اس جماعت نے خدا تعالیٰ کی ہی دی ہوئی توفیق سے صرف تعلیمی اداروں پر ۷۰ لاکھ روپیہ کے قریب رقم صرف گزشتہ سات سال کے عرصہ میں خرچ کی۔

تعمیر کا خرچ اُوپر دیئے ہوئے اندازہ کے علاوہ ہے۔ صرف تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت پر اسوقت تک پانچ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی جاچکی ہے اور اسکے نتیجہ میں جو عمارت تیار کی گئی ہے سرکاری عمارات سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ گورنمنٹ کے شیڈول کے مطابق چودہ پندرہ لاکھ روپیہ کم مالیت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے روپیہ میں اسقدر برکت دی ہے کہ گورنمنٹ جس عمارت پر چودہ پندرہ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے اس قسم کی عمارت ہم چار یا پانچ لاکھ روپیہ کی لاگت میں تیار کر لیتے ہیں۔

قادیان سے پاکستان میں ہجرت کر کے آنے کے بعد ہمارا کالج عارضی طور پر ڈی۔اے۔وی کالج لاہور کی عمارت میں کھلا۔ وہاں ایک دفعہ یہ شور اُٹھا کہ ہمیں یہ عمارت چھوڑ دینی چاہیئے۔ میں ان دنوں وزیر تعلیم مغربی پنجاب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ گورنمنٹ نے سرگودھا اور منٹگمری میں دو کالج بنائے ہیں اور ان پر ۳۵ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی ہے آپ ہمیں اس رقم کا ۲۵ فیصدی دیدیں تو نہ صرف ہمارا کالج بن جائے گا بلکہ گورنمنٹ کو پتہ لگ جائے گا کہ اسکا روپیہ کہاں جاتا ہے۔ تو وہ کہنے لگے آپ کو کالج بنانے کے لئے روپیہ نہیں دیا جاسکتا۔ لیس ہر دیکھنے والے کے لئے یہ یقیناً معجزہ سے کم نہیں کہ گزشتہ سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے نہ صرف تعلیمی اداروں کو جاری رکھنے پر ۷۰ لاکھ روپیہ زائد رقم خرچ کی بلکہ ان اداروں کی تعمیر پر جو اخراجات آئے وہ بھی برداشت کئے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ فضل اس جماعت کے شامل حال رہا وہ بھی کسی معجزہ سے کم نہیں کہ اس نے کم سے کم لاگت میں بڑی لاگت کی عمارات تیار کر لیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اب میں اس سوال کو لیتا ہوں کہ ایک غریب جماعت اس قدر توجہ اور اس قدر روپیہ ان تعلیمی اداروں پر کیوں خرچ کر رہی ہے۔ اس "کیوں" کا جواب ہر احمدی کو ملنا چاہیئے۔ اس کا ایک جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب فتح اسلام کے مندرجہ ذیل اقتباس میں دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمان اور کیا عمل جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہوگیا ہے اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اسکی جگہ چند لفظوں نے

لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ امور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے اُن کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبیعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اسکے جذبات اسکے جاننے والوں پر نہایت بداثر کرنیوالے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بد عقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔ بلکہ اکثر ان میں سے الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمنِ دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔ یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں ..... یہ کوسچین قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک ان کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُر زور ہاتھ نہ دکھلاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسمِ سحر کو پاش پاش نہ کرے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کیلئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکاتِ خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرہ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور روحانی معارف و دقائق ساتھ دیئے تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحرِ فرنگ نے تیار کیا ہے۔ سو اے مسلمانو! اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ **کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دنیا میں** آتا۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ بات عجیب اور انہونی ہے کہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابلہ پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔

اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام کیلئے خاص کر کے بغرض اعلاءِ کلمۂ اسلام و اشاعتِ نورِ حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کیلئے اور نیز انکی اندرونی حالت کے صاف کرنیکے ارادہ سے دُنیا میں بھیجا۔" (فتح اسلام صد۲ تا صد۵)

اس کے علاوہ تذکرہ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے مجموعہ) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے افراد کو بعض اصولوں پر قائم کیا ہے مثلاً آپ کا ایک الہام ہے:

"أنت مدينة العلم مقبول الرحمٰن" (صد۳۴۸)

یعنی تو علم کا شہر ہے پاک اور خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔

قرآنی محاورہ کے مطابق اس الہام کی متعدد تشریحات ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ کلام الٰہی میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہر موقع کے مطابق ایک نیا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قرآنی محاورہ کے مطابق اسکے ایک معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ انت صاحب مدینۃ العلم کہ آپ علوم کے دار الخلافہ کے شہنشاہ اور ان علوم کے منبع اور مبداء ہیں جنہیں جماعت احمدیہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ ان علوم میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کی گئی یونیورسٹی اور دار العلوم میں سکھائے

جائیں گے یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ شعراء اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتے جیسے آپ کا ایک الہام ہے کہ "در کلام تو چیزیست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"۔ اسی طرح آپ کا ایک الہام ہے "ربّ علّمنی ما ھو خیرٌ عندک" کہ اے اللہ! تو مجھے وہ کچھ سکھا جو تیرے نزدیک میرے لئے بہتر ہے۔

دُنیا میں بعض علوم ایسے بھی ہیں جو انسان کیلئے بابرکت نہیں ہوتے یا اُسے ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض علوم محض فلسفیانہ مباحث ہیں یا ایسے نظریات ہیں جو ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی علم کے چند ماہرین پائے جاتے ہیں تو ان میں سے نہ صرف ہر ایک کے نظریات مختلف ہوں گے بلکہ وہ ہر وقت بدلتے رہیں گے۔ آج بھی مختلف سائنسدانوں نے مختلف نظریات دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر آج ایک سائنسدان نے ایک نظریہ پیش کیا ہے تو دس بیس سال کے بعد دوسرا سائنسدان اس سے مختلف بلکہ بعض اوقات اس کے بالکل متضاد نظریہ پیش کر دیگا۔ یہ سب چیزیں شاعرانہ نظریات ہیں، حقائق پر مشتمل نہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ یونیورسٹی میں جو علوم پڑھائے جائیں گے ان میں شعراء کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ پھر یہ علوم حقائق الاشیاء پر مشتمل ہوں گے جیسا کہ آپ کے ایک الہام "ربّ ارنی حقائق الاشیاء" میں بتایا گیا ہے۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے ہر چیز کی کنہ اور حقیقت دکھا دے۔

مَیں یہاں پر ایک لطیف نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام فرمایا کہ ربّ ارنی حقائق الاشیاء لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ نہ آپ کوئی عظیم فلاسفر تھے۔ آپ ایک معمولی سے گاؤں کے رہنے والے تھے جو ریل اور پختہ سڑک سے بہت دُور واقع تھا اور ذاتی طور پر بھی آپ کو اپنے محدود حلقہ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ بایں ہمہ آپ نے اپنی کتابوں میں بعض ایسے نکات بیان کئے ہیں کہ آج سالہا سال کی تحقیقات کے بعد بڑے بڑے سکالر ان کے خلاف

کوئی اور نظریہ قائم نہیں کر سکے۔ مثلاً ۱۸۹۶ء میں آپ ضمنی طور پر اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رُوح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔"

دوسری بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ:۔

"اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں رُوح کبھی اُوپر سے نہیں گرتی۔ بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کی نشو ونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔"

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ص ۸۳)

۱۹۵۵ء میں آکر امریکہ کے ایک عظیم بیالوجسٹ Edmond W. Sinnot dean of Yale's Graduate School نے روح اور مادہ کے تعلق کے بارے میں ریسرچ کی اور اس کے بعد ایک کتاب "دی بیالوجی آف دی سپرٹ" تحریر کی۔ اس کتاب کا خلاصہ ویکلی ٹائم آف امریکہ مجریہ دس اکتوبر ۱۹۵۵ء میں چھپا ہے۔ اس خلاصہ کے دو اقتباسات قریباً ان دو اقتباسات کا ترجمہ ہیں۔ مثلاً وہاں لکھا ہے "اس وقت تک سائنس اس کی وضاحت نہیں کر سکی"۔ یعنی یہ ایسا راز ہے جس کے متعلق بیالوجسٹ مذکور نے تسلیم کیا ہے کہ اب تک سائنسدان اسے پا نہیں سکے۔ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اسے قیامت تک بھی نہیں پا سکے گا۔ لیکن بہرحال سائنسدانوں نے اس حد تک تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس اب تک اس راز کو پا نہیں سکی۔

آگے جا کر خلاصہ لکھنے والا بیان کرتا ہے:۔

"تنظیم کا یہ اصول نہ صرف انسان کا ارتقاع کرتا ہے بلکہ اسکے ذہن کے لئے تین بنیادی چیزیں مہیا کرتا ہے یعنی بے ترتیب ہیولیٰ میں ترتیب پیدا ہو جاتی ہے ملتہ

میں رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اثر اور غیر جانبدار عناصر میں شخصیت اُبھر آتی ہے تنظیم کا یہ اصل جس کو کسی طور پر بھی الفاظ میں بعینہٖ نہیں ڈھالا جا سکتا میں بلا خوف تردید اسے خدا تعالیٰ کی ایک صفت سمجھتا ہوں۔"

گویا میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کئے گئے دار العلوم کے بیت الفکر کی ایک مثال دی ہے کہ آپ نے ۱۸۹۶ء میں یہ بتایا کہ روح جسم سے نکلتی ہے اس کے قریباً ۶۰ سال بعد سائنسدانوں نے جو معرکہ مارا اس کا نتیجہ وہی تھا جو آپ نے ۱۸۹۶ء میں بیان فرما دیا تھا۔

پھر دُنیوی اداروں میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی علم طالب علم کے دماغ کے مطابق ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا اسلئے بعض اوقات طالب علم اس سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو اُسے اٹھانا چاہیئے۔ مثلاً ایک لڑکے کا رجحان ڈاکٹری کی طرف ہے لیکن باپ اُسے انجنیئرنگ کی تعلیم دلانا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باوجود اپنی پوری محنت کے اُس علم کو پوری طرح حاصل نہیں کر سکتا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کی ہوئی یونیورسٹی کے علوم میں یہ نقص نہیں ہوگا۔ یہاں یہ صورت نہیں ہوگی کہ آپ کا رجحان تو ڈاکٹری کی طرف ہو لیکن رستہ آپ کو فلسفہ کا دکھایا جائے۔ بلکہ ان علوم میں طالب علم کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَا ھُوَ خَیْرٌ عِنْدَکَ یعنی اے اللہ! مجھے وہی کچھ دکھا جو تیرے نزدیک بہتر ہے میں بتایا گیا ہے خدا تعالیٰ ہر ایک شخص کی علمی استعداد اور اس کے دماغی رجحان کو جانتا ہے اسلئے یہاں ایسے علم کی تعلیم دی جائیگی جو طالب علم کے ذہن کے عین مطابق ہو۔ اور اس میں اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی اس تعلیم میں یہ نقصان نہیں پایا جائیگا کہ وہ دماغ کے غیر مناسب ہونیکی وجہ سے کسی بُرے اثر ڈالتی ہو۔

پھر تذکرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدینۃ العلم کے دو علاقے یا دو محلے ہیں۔ ایک علاقہ یا محلہ کا نام بیت الفکر ہے اور دوسرے کا نام بیت الذکر ہے۔ ان دونوں کا لطیف امتزاج اس شہر کی آبادی کا موجب ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام میں بتایا گیا ہے کہ:-

"ذو عقلٍ متین ..... بیت الفکر و بیت الذکر من دخلہ کان اٰمناً (تو آج ہمارے نزدیک) ...... قوی العقل ہے ...... (کیا ہم نے تجھے) بیت الفکر اور بیت الذکر (عطا نہیں کئے) اور جو شخص اس بیت الذکر میں باخلاص و تعبد و صحت و حسنِ ایمان داخل ہوگا وہ سُوءِ خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔"

گویا یہ یونیورسٹی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس زمانہ میں قائم کی گئی ہے اس کے دو حصے ہیں۔ ایک بیت الفکر کہلاتا ہے یعنی یہ حصہ ان علوم پر مشتمل ہے جو کوئی اپنی عقل و تدبر، غور و فکر اور دُنیوی جدّ و جہد سے نکالتا ہے اور اس کے ذریعہ حقائق الاشیاء معلوم کرتا ہے۔ دوسرا حصہ بیت الذکر کہلاتا ہے اور یہ حصہ اُن علوم پر مشتمل ہے جو ذاتی کاوش اور جدّ و جہد کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوتے بلکہ دُعا، انابت الی اللہ اور خشیت اللہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کی روشنی میں اس مدینۃ العلم میں تعلیم حاصل کرنیوالوں کو اُن خرابیوں اور نقائص کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو دُنیوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو پیش آتے ہیں۔ بلکہ جو طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل ہوگا وہ بدامنی، فساد، ظلم اور ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ دُنیوی سائنسدانوں نے ایٹم بم ایجاد کیا اور وہ اس کامیاب

ایجاد پر نازاں تھے لیکن اب وہ خود اس ایجاد پر پشیمانی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اس قسم کا خطرہ اس مدینۃ العلم میں نہیں کیونکہ عقل تو خود اندھی ہے جب تک اُسے دین کی روشنی نہ دی جائے۔ یہ انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس مدینۃ العلم میں بیت الفکر کے محلّہ کے ساتھ ساتھ بیت المذکر کا محلّہ بھی آباد کر دیا۔ تا محض عقل کے استعمال کے نتیجہ میں جو خطرات انسان کو پیش آسکتے تھے وہ بیت المذکر یعنی دینی حصّہ کے ساتھ دُور ہو جائیں۔

پھر جس طرح دُنیوی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلباء کو جُبّۂ فضیلت پہنایا جاتا ہے اسی طرح اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کا بھی ایک جُبّۂ فضیلت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک فراخ اور خوبصورت اور چمکدار جُبّہ پہنے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہوں۔ اور وہ جُبّہ میرے پاؤں تک لٹک رہا ہے۔ اور چمک کی شعاعیں اس سے نکل رہی ہیں۔"
(تذکرہ صفحہ ۶۲۹)

گویا دُنیوی تعلیمی اداروں نے جو اپنا جُبّۂ فضیلت تیار کیا ہے وہ تو کالے رنگ کا ہے لیکن اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کو جو جُبّۂ فضیلت دیا جائے گا وہ نہایت خوبصورت اور چمکدار ہوگا۔ اس سے نورانی شعاعیں نکلیں گی۔ وہ نہ صرف پہننے والے کی شان کو ظاہر کرے گا بلکہ اپنی چمک اور نور سے دوسروں کی ہدایت کا بھی موجب ہوگا۔

مَیں اس موقع پر جماعت کے احباب سے دو درخواستیں کرنا چاہتا ہوں۔ میری ایک درخواست تو جماعت کے دینی اداروں سے متعلق ہے۔ جماعت ان پر ہزاروں روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہے۔ احباب جماعت کو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اس توفیق پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ زندگیاں وقف کر کے مرکز میں آئیں اور ان اداروں میں تعلیم حاصل کریں اور اس کے بعد سلسلہ کی خدمت میں لگ جائیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ وقف محض دینی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ دونو طرح کا ہوتا ہے دینی بھی اور دُنیوی بھی۔ آپ کسی ترقی یافتہ قوم یا ملک کو دیکھ لیں، اس میں آپ کو کثرت سے واقفِ زندگی ملیں گے۔

چند ماہ ہوئے مشہور انگریزی رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ میں ایک کتاب کا خلاصہ چھپا ہے۔ اس میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو سنہ ۱۹۱۶ء میں بیمار ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اُسے مشورہ دیا کہ اس کا شہری فضا میں رہنا اس کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اُسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے ایسے علاقہ میں چلا جانا چاہیئے جو میدانی بھی نہ ہو اور پہاڑی بھی نہ ہو بلکہ درمیانی قسم کا علاقہ ہو۔ پھر وہ شہر سے دُور ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے اور اس کی صحت بحال ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اُس نے ڈاکٹروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے کے لئے اپنے خاوند کو بھی چھوڑا، اپنے دوسرے عزیزوں اور وطن کو خیرباد کہا اور قریب کے ایک علاقہ میں جس میں ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی خوبیاں پائی جاتی تھیں چلی گئی۔ یہ علاقہ تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے تھا۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں اس علاقہ کے اردگرد پچاس میل میں صرف ایک شخص تھا جو دستخط کرنا جانتا تھا باقی لوگ دستخط بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور دہشت کا یہ حال تھا کہ روزانہ سینکڑوں لوگ قتل ہوتے تھے۔ وہ عورت بیکار بھی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے اپنا وقت گزارنے کے لئے اُس نے وہاں ایک سکول جاری کیا۔ اس نے دوسرے علاقوں کے بعض لوگوں کو خطوط لکھ کر عطایا اکٹھے کئے اور اس سکول کے اخراجات چلانے کا انتظام کیا۔ اب تو وہاں اور سکول بھی جاری کئے گئے ہیں لیکن سنہ ۱۹۱۶ء میں پہلا سکول یہی تھا جو وہاں جاری کیا گیا۔

اُس عورت کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جس بچے سے جس کو وہ پڑھاتی تھی زبانی طور پر یہ وعدہ لیتی تھی کہ اگر اس کے ادارے قوم یا علاقہ کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ وہیں آئیگا کسی اَور جگہ نہیں جائے گا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم طِب میں نہایت ذہین اور ہوشیار تھا۔ اُسے طِب میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ جب اُس عورت نے وظیفہ دے کر اُس کی اعلیٰ پڑھائی کا انتظام کیا اور اُس نے طِب کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرلی تو بعض فرموں نے اُسے اغلباً دس لاکھ ڈالر سالانہ تنخواہ کی پیشکش کی جو ہمارے مُلک کے لحاظ سے پینتالیس لاکھ روپیہ سالانہ بنتا ہے مگر اس عورت نے اُسے لکھا کہ تم اپنے علاقہ میں آجاؤ کیونکہ یہاں اَور ڈاکٹر موجود نہیں۔ چنانچہ وہ اس پیشکش کو ٹھکرا کر وہاں آگیا۔ پھر وہ کوئی بھاری فیس بھی نہیں لیتا تھا۔ وہ چھکڑوں پر رات کے بارہ بارہ بجے برف سے ڈھکے ہوئے راستوں پر سفر کر کے مریض کو دیکھنے جاتا اور اس کا علاج کرتا۔ جب واپس آتا تو وہ لوگ پانچ سیر گندم یا مکئی اس کے چھکڑے میں رکھ دیتے۔ یہ وہ فیس تھی جو وہ اپنے علاقہ کے مریضوں سے لیتا اور جس کے مقابلہ پر اس نے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تنخواہ کی پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ واقفِ زندگی نہیں تھا تو اَور کیا تھا۔ اِس طرح کی اَور مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

پس وقف محض مذہبی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مذہبی اور دُنیوی دو نو قسم کا ہوتا ہے اور واقفین ہر قوم، ہر مُلک اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اصل میں وقفِ زندگی اور حیات کے کامل مظاہرہ کا نام ہے۔ جب کسی کی دینی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دین کا واقفِ زندگی بن جاتا ہے اور جب اس کی دُنیوی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دُنیا کا واقفِ زندگی بن جاتا ہے۔ جب ایک شخص کی قوتوں اور اس کے روپیہ کی اس کی قوم اور مُلک کو ضرورت ہو اور وہ اس کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دے اور اس کی خدمت میں لگ جائے تو یہ اُس کی دُنیوی رُوح کے کمال اور عروج کا مظاہرہ ہوتا ہے اور وہ واقفِ زندگی کہلاتا ہے۔ اور جب اس میں دین کی رُوح اپنے کمال اور عروج کو پہنچ جاتی ہے اور وہ دین کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دیتا ہے تو وہ رُوحانی واقفِ زندگی بن جاتا ہے۔

وقف کی رُوح اور زندگی کو جماعت میں قائم رکھنے کے لئے جماعت کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرنا چاہیئے۔ چاہے وہ مرکزی ہدایات کے ماتحت کام کرنے کے اہل نہ بھی ہوں اور وہ یہاں رہ کر کام نہ بھی کر سکیں لیکن جماعت میں اس قسم کا ذہنی رجحان پایا جانا چاہیئے اور اس کے نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت ہونی چاہیئے کہ جب بھی قوم انہیں بُلائے وہ اپنا سب مفاد ترک کر کے آجائیں۔ اس رُوح کو قائم رکھنے کے لئے آپ زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہاں آئیں اور اپنے اِن دینی اداروں سے فائدہ اُٹھا کر اِس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی سرخرو ہوں۔

دوسری درخواست میں دُنیوی اداروں کے متعلق کرتا ہوں۔ اِس وقت تک ہمارے سب اداروں نے محض خدا تعالیٰ کے فضل سے تعلیمی لحاظ سے ایک خاص مقام حاصل کرلیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری کمزوریاں بہت زیادہ ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہماری تھوڑی بہت جو کوشش ہوتی ہے اس میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ وہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ جن احباب کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں انہیں اپنے کالج سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یہ انکی اپنی چیز ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے بچوں کو تعلیم کیلئے یہاں نہ بھیجیں۔ آپکا اِس ادارہ پر بہت زیادہ حق ہے۔ آپکا یہ اپنا ادارہ ہے اور آپ اس پر خرچ کر رہے ہیں۔ آپکا یہ حق ہے کہ آپ

مخزنِ معارف

قصیدہ در مدح قرآن مجید از سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از نورِ پاک قرآں صبحِ صفا دمیده — بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیده

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد — ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیده

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا — ویں یوسفے کہ تنہا از چاه برکشیده

از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد — قدِّ ہلالِ نازک زاں نازکی خمیده

کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد — شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیده

آں نیّرِ صداقت چوں رو بعالم آورد — ہر بُوم شب پرستی در کنجِ خود خزیده

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا — اِلّا کسے کہ باشد با رویش آرمیده

آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف — واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیده

بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او — بد قسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویده

میلِ بدی نباشد اِلّا رگے ز شیطاں — آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیده

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی — تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریده

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیده

ستاروں میں ارتقاء

ہیئتی طبیعیات کا ایک دلچسپ مسئلہ قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں

از جناب چودھری محمد عبد اللہ صاحب۔ ڈائریکٹر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ

موضوع کی اہمیت

"مذہب و سائنس" کے وسیع تر عنوان کے تحت بعض معرکۃ الآرا مضامین کا ذکر ہمارے زمانہ کی اہم ضروریات کا حصہ ہے۔ یہ موضوع مندرجہ عنوان بظاہر محض ایک نظریاتی مسئلہ پیش کرتا ہے۔ اور نکتہ چیں طبیعت کہہ سکتی ہے کہ ایسے فلسفیانہ مباحث سے گریز بہتر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آجکل مادیت کی بڑھتی ہوئی رَو کا مقابلہ کرنے کے لئے زیر نظر مطالعہ اور اس نہج پر غور و فکر کے مزید نتائج یقیناً مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

کلام الٰہی کی ہدایات سے استفادہ حاصل کرنے کا تقاضا ہے کہ اس کے فیوض و برکات ہر طبقۂ خیال کے لئے عام کئے جائیں۔ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں روزافزوں ترقی کے باعث سائنسی فلسفہ سے متاثر ہونے والے افراد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہمیں جو رہنمائی سائنسی فلسفہ کے پیدا کردہ حالات میں ممد ہو اسے پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ قرآن مجید نے خود بار بار مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلا کر ان میں آیات الٰہی کی موجودگی پر زور دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس امر کی تاکید فرماتا ہے کہ مظاہر قدرت پر غور و فکر کی عادت ڈالنا مومن کے فرائض میں شامل ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا غور و فکر انسان کی روحانی ترقی کے لئے نہایت مفید ہے۔ ایسے مطالعہ سے انسان کے نظر و فکر میں جو وسعت پیدا ہوتی ہے وہ انسان کے روحانی شعور کو بہت رفعت دیتی ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے جن مضامین کی طرف خصوصیت سے انسان کی توجہ مبذول کی ہے ان میں "خلق السمٰوٰت والارض" پر غور و فکر نمایاں ہے۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ (المومن ۵۸) یعنی سماوات اور زمین عالم کبیر ہے انسان کا وجود فی ذاتہٖ اس عظیم تر نظام قدرت میں بہت معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان کو اپنی پیدائش پر غور کرتے وقت اس عظیم الشان پس منظر پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہیئے جو زمان و مکان کی حیرت انگیز کہانی بیان کرتا ہے۔ جس کہانی کا ایک حصہ خود انسانی وجود کی تاریخ ہے۔

۳۔ ستاروں میں ارتقاء کا بحث علم ہیئت اور خصوصیت سے ہیئتی طبیعیات میں ایک معرکۃ الآرا موضوع ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس مسئلہ کا حل پیش کرنا علوم ہیئت اور طبیعیات کے تعاون کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اس ارتقاء کے ثابت ہونے سے کائنات کے وسیع نظام کی کڑیوں میں تسلسل کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے

قدرت کے منصوبہ اور مشیت کا پتہ چلتا ہے۔ تمام کائنات کے وجود کے مقصد کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے قرآن مجید کے بعض ارشادات کی روشنی میں عہد حاضر کے علمی انکشافات نشانات کا لمبا سلسلہ پیش کرتے ہیں جو بہت بصیرت افروز ہے۔ یہ نشانات انسان کو اس اقرار پر مجبور کرتے ہیں کہ ؎

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

قرآن مجید کے ارشادات

سورۂ رعد کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور دیکھنے والا ہوں۔ یہ آیات عظیم الشان کتاب کی ہیں۔ اور تمہارے رب کی طرف سے جو تم پر نازل کیا گیا ہے حق ہے مگر اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کیا ہے جو تمہیں نظر آسکیں۔ پھر وہ عرش پر متمکن ہوا اور سورج اور چاند کو مسخر فرمایا۔ ہر ایک ان میں سے معین انجام کی طرف جا رہا ہے۔ وہ تدبیر امر فرماتا ہے اور آیات کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے پر یقین کر سکو۔"

عنوان مطالعہ ہذا کے لحاظ سے آیات مذکورہ کا قابل غور حصہ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ہے یعنی اجرام فلکی کا ایک معین انجام ہے جس کی طرف ان کے وجود کے تغیرات انہیں لئے جا رہے ہیں۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے مفہوم یہ ہے کہ روحانی سلسلہ کی مشابہت اللہ تعالیٰ نے کائنات کے عالمگیر نظام سے دی ہے۔ ظاہر بین نگاہ کو کلام الٰہی اور اس کے نازل کنندہ کے درمیان تعلق نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان نظام فلکی کی طرف تو غور کرو کیا ستاروں اور سیاروں کا اپنے اپنے فلک پر چلنے کے لئے ظاہری طور پر کوئی تھمو دیا واسطے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے باوجود یہ ماننا ناگزیر ہے کہ سورج اور سیاروں اور ایسے ہی دوسرے نظاموں کے اجزاء کے درمیان ایسی طاقت کام کر رہی ہے جو انہیں خاص مدار پر قائم رکھتی ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ کائنات کو وجود میں لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب مہیا کر دیئے جو اس کی صفات کے ظہور کا موجب بننے والے ہیں۔ اسی غرض کے لئے سورج اور چاند کی تسخیر بھی فرمائی۔ یہ مت سمجھو کہ یہ کارخانۂ قدرت عالم روحانی سے لاتعلق ہے۔ ان اجرام کے وجود کی ایک غرض و غایت ہے۔ وہ اسے پورا کر رہے ہیں اور ایک معین انجام کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ غرض و غایت کیا ہے؟ لعلکم بلقاء ربکم توقنون۔ غور کرنے سے تمہیں غرض و غایت واضح ہو جائے گی۔ تدبیر امر اور تفصیل آیات اسی لئے کی گئی ہے۔

کہ تم اپنے رب کی ملاقات پر یقین حاصل کرسکو۔ سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

"کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کی تسخیر فرمائی ہے۔ ہر ایک ان میں سے ایک معیّن اجل کی طرف رواں دواں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے جو تم کرتے ہو بخوبی واقف ہے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے کائنات کے آغاز و انجام کو روشنی کے ظاہر ہونے اور معدوم ہونے کے پیرایہ میں بیان فرمایا کر پھر فرمایا۔ سورج اور چاند کو ہم نے مقررہ کام پر لگایا ہے مگر ان کا ایک انجام بھی معیّن ہے۔ پس انسانی زندگی بھی بے مقصد نہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم کتنے پانی میں ہو اور تمہارا رجحان کدھر ہے۔ سورۂ فاطر ع اور سورۂ زمر ع میں بھی سورۂ لقمان کی مذکورہ بالا آیات کا مضمون پایا جاتا ہے۔ سورۂ تکویر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝

"ایک زمانہ آئے گا جس میں سورج تاریک ہو جائے گا اور ستارے گدلے ہو جائیں گے۔"

یہاں سورج اور ستاروں کے انجام کی نوعیت بھی بیان فرما دی ہے۔ گدلا ہونا تاریکی سے قبل کا مرحلہ ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ انقلاب ایک عرصہ پر ممتد ہوگا۔

بالآخر سورۃ النجم کی آیت وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ قابلِ توجہ ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے شعریٰ کی ربوبیت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ معرضِ وجود میں آنے سے لے کر ارتقاء کے تمام مراحل سے گزارا جائے حتّٰی کہ اجلِ مسمّٰی کے اسباب مہیّا کر دیئے جائیں۔ سورۃ النجم کی ابتدائی آیت وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى میں ستارہ کے جس تنزل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ شعریٰ پر بھی اطلاق پا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے ربوبیت کے ذکر میں یہ مفہوم شامل ہوگا کہ اس ستارہ کے تنزل سے اس کی "ربوبیت" کے مسئلہ کا تعلق ہے۔ چنانچہ یہ امر حیرت انگیز ہے۔ کہ ستاروں کے ارتقاء کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے میں سب سے اہم مشاہدات ستارہ شعریٰ کے مطالعہ پر مشتمل ہیں۔ اس امر کا ثبوت علم ہیئت کی تقریباً ہر قابلِ ذکر کتاب میں موجود ہے۔

ستارہ شعریٰ کی خصوصیات

ستاروں کے ارتقاء کے بارے میں علمی انکشافات کے ذکر کی ابتداء میں ستارہ شعریٰ کی خصوصیات بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔ شعریٰ (SIRIUS) آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے جو موسم سرما میں آسمان کی زینت کو دوبالا کرتا ہے۔ اس کی چمک دمک کا مقابلہ ستارہ زہرہ کے سوا کسی اور ستارہ یا سیارہ سے نہیں ہوتا۔ اس کی آب و تاب سے متاثر ہو کر فراعنہ کے عہد میں مصریوں نے اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ مصریوں کی پرستش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں اس ستارہ کا طلوع دریائے نیل کی طغیانی کے موسم کی نوید لاتا تھا۔ عجیب امر یہ ہے کہ یونانیوں نے بھی اس ستارہ

کی پرستش شروع کی۔ مگر ان کے لئے یہ ستارہ قہر کا نشان مانا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے طلوع کے وقت شدید گرمی کا موسم شروع ہوتا تھا۔ ان دونوں توہمات کا سدِ باب قدرت نے کر دیا اور استقبال اعتدالین کے سبب شعریٰ کا طلوع مرورِ زمانہ کے ساتھ تاخیر پا تا گیا۔ استقبال اعتدالین زمین کی بناوٹ میں مکمل گولائی سے انحراف کے باعث سیارگان اور چاند کی کشش کے ذریعہ اس کے محور کے مخروطی شکل میں چکر لگانے سے واقع ہوتا ہے۔ اس مخصوص حرکت کی وجہ سے زمین کے لئے قطب ستارہ کی پوزیشن بھی بدلتی رہتی ہے۔ مگر یہ تبدیلی بہت طویل عرصہ میں واقع ہوتی ہے جو ہزاروں سال پر ممتد ہے۔ ستارہ شعریٰ کو شعریٰ یمانی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے مقابل قریباً اسکے ساتھ ہی طلوع کرنے والا روشن ستارہ شعریٰ شامی کے نام سے مشہور ہے۔ اوّل الذکر مجمع النجوم کلب اکبر اور مؤخر الذکر مجمع النجوم کلب اصغر کا حصہ ہے۔ یہ دونوں مجامع مجموعہ الجبّار کے قریب ہی مشرق کی جانب واقع ہوتے ہیں۔ یہ جاذبِ نظر مجامع بڑی آسانی سے نظر آ جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کا وجود نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں بے مثال ہے۔ شعریٰ کا حجم سورج سے تقریباً ۳ ۳/۸ گنا زیادہ ہے کیونکہ اس کا قطر سورج سے قریباً ڈیڑھ گنا ہے۔ اس کی ذاتی روشنی بھی سورج سے زیادہ ہے مگر بُعد کی وجہ سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ سورج کا قطر ۸½ لاکھ میل ہے۔ زمین کا قطر تقریباً ۸۰۰۰ میل ہے۔ سورج زمین سے تقریباً ۹ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس کی روشنی زمین تک ۸½ سال میں پہنچتی ہے۔

شعریٰ یمانی کے ساتھی دوہرے ستارے کی دریافت

شعریٰ یمانی اور شعریٰ شامی دونوں دراصل دوہرے ستارے ہیں۔ یعنی ان روشن ستاروں کے ساتھ ساتھ ایک ایک مدھم ستارہ بھی ہے جو طاقتور دوربین کے بغیر نظر نہیں آتا۔ شعریٰ یمانی کا ساتھی ستارہ سب سے اوّل ۱۸۶۲ء میں امریکن چشم ساز ایلون کلارک (ALVAN CLARK) نے مشاہدہ کیا۔ اس سے قبل بیسل (BESSEL) نامی ہیئت دان نے ۱۸۴۴ء میں شعریٰ یمانی کی حرکت میں بے ترتیبی پائی تھی مشاہدات کے نتیجہ میں معلوم ہوا تھا کہ ستارہ مذکور پچاس سالہ دَور کے بعد پہلی حالت پر عود کر آتا ہے۔ حسابی مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ بے اعتدالی ایک مدھم ستارہ کی وجہ سے ہے۔ روشن ستارہ اور مدھم ستارہ ایک دوسرے کے گرد اکیاون سال میں ایک چکر مکمل کرتے ہیں۔ ۱۸۴۴ء میں بیسل نے اپنی تحقیقات کو شائع کر دیا تھا۔ مدھم ستارے کو ہیئت دان شعریٰ ب اور روشن ستارے کو شعریٰ الف کے نام سے پکارنے لگے۔

شعریٰ ب کی خصوصیات

ستارہ شعریٰ ب کے وجود کا انکشاف اور اس کے خواص کا علم ستاروں کے ارتقاء کے مسئلہ کی تدوین میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ معلومات ستاروں کی اصل ہستی پر بُرہانِ قاطع ہے شعریٰ ب کا قطر ۳۰۰۰۰ میل کے قریب ہے مگر اس کی روشنی سفید رنگ کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس کی سطح کا درجۂ حرارت سورج کی سطح کے درجہ حرارت سے بھی زیادہ ہے۔ اتنے چھوٹے حجم کے باوجود اس قدر بلند درجہ حرارت کی وجہ یہ قرار دی جاتی ہے کہ اس ستارہ میں اب ہائیڈروجن کا عنصر محض بیرونی سطح کے چھلکے میں پایا جاتا ہے جہاں کسی قدر جوہری توانائی کا عمل بروئے کار ہے۔ اس بیرونی قشر کے نیچے اب تمام تر مادہ کسی قسم کی توانائی پیدا کرنے سے عاری ہے۔ یعنی ناکارہ

(DEG ENERATE) ہوچکا ہے۔ یہ ستارہ اب ارتقاء کی آخری منزل میں داخل ہوچکا ہے اور اجلِ مسمّی کو پہنچنے کا اعلان بزبانِ حال کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے مادہ کی ایک عجیب کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس کے اجزاء میں اب کسی عنصر کا جوہر (ایٹم) موجود نہیں۔ بلکہ ایٹم کے اجزاء ایک عجیب و غریب ترکیب سے الجھ گئے ہیں۔ عجیب و غریب اس لئے کہ ایٹم کے اجزاء کا ایسا ملغوبہ کسی اور جگہ سوائے اس قسم کے ستارہ کے ممکن نہیں۔

شعریٰ ب کی انتہائی کثافت کی وجوہات

شعریٰ ب کے مادہ کی کیفیت سمجھنے کے لئے

ایٹم یا جوہر کی بناوٹ ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ ایٹم یا جوہر کائنات میں موجود عناصر میں سے کسی ایک عنصر کا وہ چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہے جس میں اس عنصر کے خواص برقرار رہیں اس کے قلیل حجم کا اندازہ انسانی تصوّر میں لانا سخت مشکل امر ہے۔ تاہم کسی جوہر کا اندرونی نظام خود ایک جہان کی مانند ہے۔ ہر ایٹم کے وجود کے دو حصّے ہیں۔ ایک وسطی جسے مرکزہ کہا جاتا ہے جہاں اس کی اکثر و بیشتر کمیت مرکوز ہوتی ہے مگر جو حجم میں انتہائی چھوٹا ہوتا ہے۔ ایٹم کے دوسرے حصّے یعنی مرکزہ کے گرد خلا میں ایک یا ایک سے زیادہ برقی ذرات کی معیّن سطحوں پر اسی طرح مصروفِ گردش ہوتے ہیں جس طرح سورج کے گرد سیارے۔ ہائیڈروجن کا جوہر تمام دوسرے عناصر کے مقابل سب سے مختصر ہے۔ اس میں مرکزہ کے گرد صرف ایک برقی ذرہ (الیکٹران) گردش کرتا ہے۔ ہائیڈروجن کا مرکزہ الیکٹران کے بالمقابل ۱۸۴۰ گنا زیادہ بھاری ہے۔ مگر یہ سادہ ترین مرکزہ جسے پروٹان کہا جاتا ہے الیکٹران کے بالمقابل ۱/۲ حجم رکھتا ہے۔ اور ایٹم الیکٹران کے بالمقابل ۲۵,۰۰۰ گنا بڑا حجم رکھتا ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے ایٹم کے اجزاء اپنی اپنی جگہ پر برقرار ہونے کے بجائے پہلو بہ پہلو ہوجائیں۔ تو کمیت (MASS) میں کمی کے بغیر حجم میں بے تحاشا کمی واقع ہوگی یا بالفاظِ دیگر کمیت میں بمقابلہ حجم حیرت انگیز اضافہ ہوجائے گا۔ یہی صورت ستارہ شعریٰ ب کے اندر واقع ہوتی ہے۔ یہاں ایٹمی نظام ختم ہوچکا ہے اب ایٹموں کے محض اجزاء اس شکل میں موجود ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ موجود نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شعریٰ ب کے مادہ کی کمیت حیرت انگیز طور پر زیادہ ہوگئی ہے اس مادہ کی کثافت پانی کی کثافت کے مقابل ۶۰,۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ شعریٰ ب کے ایک مکعب انچ مادہ کی کمیت ایک ٹن سے زیادہ ہے۔ اس امر کی تصدیق مشاہدہ کے رنگ میں ۱۹۲۵ء میں امریکن ہیئت دان ایڈمز (ADAMS) نے کی ہے۔

ایڈمز کا تصدیقی تجربہ

ایڈمز نے شعریٰ ب کی روشنی کا تجزیہ طیف نما

کے ذریعہ کیا۔ طیف نما یا مرقب طیفی ایک ایسا آلہ ہے جس پر روشنی کی شعاع ڈالنے سے اس شعاع کو اس کے اجزاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سورج یا دوسرے ستاروں سے آنے والی روشنی دراصل مرکب ہوتی ہے۔ روشنی فی ذاتہ ایک نوع کی توانائی ہے۔ توانائی کی ہر نوع لہروں کی شکل رکھتی ہے۔ ان لہروں یا موجوں کا فی ثانیہ تعدد (FREQUENCY) توانائی کی نوعیت کی تعیین کرتا ہے۔ روشنی یا نور کی لہریں تعدد کی معیّن حدود کے اندر واقع ہوتی ہیں۔ ستاروں کی روشنی جب مرقب طیفی میں داخل ہوتی ہے تو مختلف تعدد کے اجزاء الگ الگ زاویہ پر منعطف ہوکر قوسِ قزح کی طرح متعدد رنگوں کی ایک پٹی (BAND)

کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں، اس نتیجہ کو طیف کہا جاتا ہے۔
آئین سٹائین (EINSTEIN) کے مشہور نظریۂ اضافیت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ایسے اجرام فلکی سے انشعاع پذیر ہونے والی روشنی جو حجم کے مقابلہ میں کمیت زیادہ رکھتے ہوں ان اجرام فلکی سے آنے والی روشنی کے مقابل جن کے حجم کے مقابلہ میں ان کی کمیت اس قدر زیادہ نہ ہو تجاذب مادی کی وجہ سے روشنی کی موجوں کے تعدد میں نسبتاً کمی واقع ہوگی۔ بالفاظ دیگر ان روشنی کی موجوں کے طول میں نسبتاً اضافہ ہوجائیگا جس کے نتیجہ میں ایسی روشنی کا طیف اس طرف ہٹ کر واقع ہوگا جس طرف طیف میں سُرخ روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ ایڈمز کے تجربہ کے نتیجہ میں سورج کے طیف کے مقابل شعریٰ ب کا طیف ۳۶ گنا جانب سُرخ ہٹ کر واقع ہوا تھا۔ اس تجربہ سے خود ایڈمز کی اپنی سابقہ تحقیقات کی تصدیق ہوگئی جو اس نے ۱۹۱۵ء میں کی تھی اور جس کے نتیجہ میں اس نے شعریٰ ب کی زبردست کثافت کا انکشاف کیا تھا۔ اس تجربہ کے ذریعہ آئین سٹائین کے نظریۂ کی بھی تصدیق ہوگئی جس کا ایک ماحصل یہ بھی تھا کہ مادہ اور توانائی ایک دوسرے میں تبدیل ہوسکتے ہیں اور یہ کہ تجاذب مادہ کا اثر روشنی کی شعاعوں پر بھی پڑتا ہے۔ اس تجربہ کے ذریعہ شعریٰ ب کی کمیت کا اندازہ دوسرے حسابی طریقوں کے مطابق ثابت ہوا تھا۔ دوسرا طریقہ اس ستارہ کی کثافت معلوم کرنے کا یہ بھی تھا کہ شعریٰ الف پر اس ستارہ کی کشش حرکات معلومہ کے نتیجہ میں دریافت کی جاسکے۔ غرضیکہ شعریٰ ب کی کثافت کا غیر معمولی طور پر زیادہ ہونا اب ایک واضح صداقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

ستاروں کا عروج و زوال

شعریٰ ب کے وجود سے تو یہ ثابت ہوگیا کہ ستاروں کی ایک حالت ایسی بھی ہے جو ناکارگی تک پہنچ جاتی ہے اور گویا ستارہ کی موت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ اس کے مقابل شعریٰ الف اپنے عروج کے کمال پر ہے۔ شعریٰ الف کے کوائف ہمارے سورج سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شعریٰ الف سورج کی ترقی یافتہ شکل پیش کر رہا ہے۔ گویا ستاروں کے عروج و زوال کی کہانی کا معتد بہ حصہ شعریٰ الف اور شعریٰ ب کے مشاہدات سے معلوم ہوجاتا ہے۔

کائنات کے اس عظیم الشان انقلاب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت کام کرتی نظر آتی ہے۔ ربوبیت کی ایسے وسیع پیمانہ پر مثال مشاہدہ کرکے اللہ تعالیٰ کی ہستی کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ قدرت کے ان مظاہر پر غور کرنے والوں کو قرآن مجید شکوک و شبہات کے حملہ سے محفوظ کرکے یقین و عرفان کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے وَاَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ ربوبیت کے یہ مراحل اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر اور مشیت کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

ہارٹ سپرنگ رسل نقشہ

ستارہ شعریٰ کے ذریعہ ستاروں کے عروج و زوال کا جو نقشہ پیش ہوتا ہے اس کے پس منظر یعنی ستاروں کے ارتقاء پر زیادہ مفصل معلومات کے لئے امریکی ہیئت دان ہنری نارس رسل (H. N. S. RUSSEL) کی تحقیقات قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں رسل نے تمام معلوم ستاروں کو ان کی روشنی یا تنویر کی مقدار کے لحاظ سے ان کی سطح کے درجۂ حرارت کے مقابل ایک نقشہ یا ترسیم کی شکل میں پیش کیا۔ اسی قسم کا نقشہ توارد کے رنگ میں ایک جرمن ہیئت دان ہارٹ سپرنگ (HERTZ SPRUNG) کی جدو جہد کے نتیجہ میں بھی معرض وجود میں آیا۔ اس لئے یہ

نقشہ رسّل ہارٹ سپرنگ کے مرکب نام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس نقشہ سے حیرت انگیز نتائج مترتب ہوئے ہیں۔ مگر اسے بہتر طور پر سمجھنے کے لئے پہلے ستاروں کی تنویر اور اُن کے درجۂ حرارت کے بارے میں چند ابتدائی امور کا علم ضروری ہے۔

ستاروں کی تنویر کے مدارج

ستاروں کی چمک، روشنی یا تنویر میں کمی بیشی برہنہ آنکھ سے بھی ایک حد تک جانچی جا سکتی ہے۔ مگر اس ترقی یافتہ دور میں روشنی کی پیمائش کے آلات ایجاد ہو چکے ہیں۔ تاہم ستاروں کی نسبتی چمک دمک کو حسابی اعتبار سے پیش کرنے کے لئے ایک خاص مقدار کی روشنی کو اکائی قرار دیدیا گیا ہے یعنی ایک معیّن مقدار کی روشنی بھیجنے والے ستاروں کو مقدار ایک کے ستارے قرار دیا گیا ہے۔ ان ستاروں سے ۲½ گنا روشن ستاروں کو صفر مقدار کے ستارے قرار دیا گیا ہے اور ان کے ۲,۵ گنا مزید روشن ستاروں کو منفی ایک مقدار کے ستارے گنا جاتا ہے۔ اسی طرح مقدار ایک کے ستاروں سے ۲,۵ گنا کم روشن ستاروں کو مقدار ۲ کے ستارے گردانا جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس اعتبار سے ستارہ شعریٰ الف کی روشنی ۱,۵- مقدار کی ہے۔ سورج کی تنویر ۲۶- مقدار کی ہے قطب ستارہ مقدار ۲+ کے ستاروں میں شامل ہے۔ تنویر کے یہ مدارج ظاہری روشنی کے اعتبار سے ہیں مگر ستارے زمین سے کم و بیش فاصلہ پر واقع ہیں۔ مثال کے طور پر سورج کی روشنی زمین تک ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔ جبکہ روشنی کی رفتار ۱,۸۶,۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔ ستارہ شعریٰ کی روشنی ہم تک ۸½ سال میں پہنچتی ہے۔ اور بعض ستاروں سے روشنی ہزارہا سال میں پہنچتی ہے۔ اس وقت تک دنیا کی سب سے بڑی دوربین کے ذریعہ کائنات کی وسعتوں میں جس حد تک ستارے دیکھے جا سکتے ہیں وہ ایک ارب سالِ نور کے فاصلہ پر ہے یعنی معلوم کائنات کی وسعت ۲ ارب سالِ نور کے برابر ہے۔ ستاروں کے اس طرح کم و بیش فاصلہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کی اصل روشنی کا موازنہ کرنے کے لئے ہیئت دانوں نے یہ تجویز نکالی ہے کہ وہ تمام ستاروں کو ۱۰ پارسک یعنی ۳۲½ سالِ نور کے فاصلہ پر فرض کر کے ان کی تنویر کی مقدار حسابی طریق سے معلوم کرتے ہیں اور اس مقدارِ تنویر کو تنویرِ مطلق کہا جاتا ہے۔ ہارٹ سپرنگ رسّل کے نقشہ میں ستاروں کی تنویر مطلق کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے۔

درجۂ حرارت اور طیفی اقسام!

ستاروں کا درجۂ حرارت ان کے رنگ سے معلوم کیا جاتا ہے کسی دھات کو اگر گرم کیا جائے تو درجۂ حرارت کی تبدیلی کے ساتھ اس پر مختلف رنگ نمودار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ستاروں کی روشنی بھی مختلف رنگ کی ہوتی ہے۔ بعض ستارے سُرخ روشنی ظاہر کرتے ہیں بعض سفید اور بعض نیلی۔ روشنی کے رنگ کے اعتبار سے ان ستاروں کے طیف بھی الگ الگ نوع کے ہوتے ہیں۔ ہیئت دانوں نے ستاروں کے طیف انگریزی حروف ابجد کے ذریعہ متعارف کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

O, B ، A ، F ، G ، K ، M ، R ، N ، S

O قسم کے ستارے نیلے رنگ کے اور سب سے شدید گرم ہوتے ہیں۔ N ، R ، M اور S قسم کے ستارے سُرخ رنگ کے مختلف مدارج پر ہیں اور نسبتاً بہت کم درجۂ حرارت رکھتے ہیں۔ سورج G قسم کے ستاروں میں شامل ہے۔ شعریٰ الف F قسم کے ستاروں میں شامل ہے۔

ہارٹ سپرنگ رسّل نقشہ کی ترتیب

ہارٹ سپرنگ رسّل کے نقشہ میں سب سے نمایاں امر یہ ظاہر ہوا کہ ستاروں کے درجۂ حرارت

کے مقابل ان کی تنویر میں خاص طور کی ترتیبیں پائی جاتی ہیں۔ ان ترتیبوں میں سے سب سے اہم ترتیب کو ترتیب عظمے (MAIN SEQUENCE) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس ترتیب میں ستارہ کی تنویر اس کے درجۂ حرارت کے مطابق بڑھتی ہے۔ یعنی جیسے جیسے درجۂ حرارت بڑھتا ہے تنویر بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس ترتیب میں ستارہ کی کمیت یا کثافت بھی اس کی تنویر کے مطابق بڑھتی ہے۔ تنویر اور کمیت کی نسبت حسابی طور پر متعین کر لی گئی ہے۔ کمیت کے ساتھ حجم میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اس ترتیب کے ایک سرے پر چھوٹے حجم کے سرخ ستارے واقع ہیں جنہیں ہیئت دان سرخ بونے کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرے سرے پر نیلے رنگ کے بہت بڑے حجم والے ستارے پائے جاتے ہیں جنہیں نیلے دیو کہا جاتا ہے۔ ترتیب کے وسط میں پیلے اور سفید رنگ کے ستارے واقع ہیں جن میں سورج اور شعریٰ واقع ہیں۔ ترتیب عظمیٰ کے علاوہ ایک ترتیب ایسی بھی پائی جاتی ہے جس کے ایک سرے پر سرخ دیو قسم کے ستارے واقع ہیں جو تنویر کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں۔ اور دوسرا سرا ترتیب عظمیٰ کے وسط سے آملتا ہے۔ اس دوسری ترتیب کے متوازی متغیر ہونے والے ستارے واقع ہیں جو ترتیب عظمیٰ سے جتنے قریب ہوتے ہیں ان کے تغیر کا عرصہ کم ہوتا جاتا ہے۔ ستاروں کا آخری بڑا گروہ سفید بونوں پر مشتمل ہے جن کی مثال شعریٰ ب ستارہ ہے۔

ستاروں میں جوہری توانائی کی دریافت

ہارٹ سپرنگ کے ذیل نقشہ سے ستاروں کے ارتقاء کی طرف توجہ ہونا لازمی تھا۔ ارتقاء کے نظریہ کو سفید بونے ستاروں کی ماہیت سے بھی تقویت ہوئی تھی، رہی سہی کسر جوہری توانائی کی دریافت نے پوری کر دی۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں برطانوی سائنس دان سر آرتھر ایڈنگٹن نے اپنی تحقیقات کا ماحصل یہ بیان کیا کہ ستاروں کے مرکز میں حرارت ۱۵ سے ۳۰ کروڑ درجہ تک ہوتی ہے۔ اس درجۂ حرارت پر تمام عناصر اپنے بیرونی خول جو الیکٹرانوں پر مشتمل ہوتے ہیں کھو دیتے ہیں اور مرکزنے اور الیکٹران نہایت سرعت سے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں جس سے درجۂ حرارت کی مناسبت سے مرکزوں میں تخریب و تعمیر بھی واقع ہوتی ہے۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ایٹم یا جوہر کے نظام کے اندر مرکزنے کے گرد جس قدر الیکٹران چکر لگاتے ہیں کم از کم اسی قدر مرکزنے کے اجزاء بھی ہوتے ہیں جو برقی اعتبار سے الیکٹران کو منفی علامت دی جاتی ہے اور مرکزنے کے برقی حصہ کو مثبت علامت دی جاتی ہے اور یہ پروٹان کا نام دیا جاتا ہے۔ مرکزنے میں پروٹان کے علاوہ ایسے ذرات بھی ہوتے ہیں جو منفی یا مثبت برقی خواص ظاہر نہیں کرتے۔ ان ذرات کو نیوٹران کہا جاتا ہے۔ ان ذرات کا کام بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی عنصر کی مخصوص کمیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ پروٹان اور نیوٹران کے علاوہ کئی ایک دوسرے ذرات کا وجود بھی مرکزنے میں پایا گیا ہے مگر اس ضمن میں مزید تفصیلات مطالعہ ہذا کے موضوع سے خارج ہیں۔

جوہری مرکزنے سے توانائی حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مرکزنے کے نظام کو توڑ کر اجزاء منقسم کر دیئے جائیں۔ ایسی توانائی صرف ایسے عناصر سے حاصل ہو سکتی ہے جو بھاری ہوتے ہیں یعنی جن کے الیکٹران اور مرکزنے کے اجزاء سب سے زیادہ ہیں۔ یہ خاصیت صرف چند ایک عناصر تک محدود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہلکے عناصر کے مرکزنے آپس میں ٹکرا کر نئے عنصر کے مرکزنے معرض وجود میں لائیں۔ اس عمل سے بھی مرکزنے کا ایک قلیل حصہ ضائع ہوتا ہے جو توانائی کی شکل اختیار

کر لیتا ہے۔ مادہ کے توانائی میں تبدیل ہونے سے مادہ
اور توانائی کی نسبت روشنی کی رفتار کے مربع کے برابر
ہے۔ روشنی کی رفتار ۱،۸۶،۰۰۰ میل فی سیکنڈ یا ۳۰
ارب سینٹی میٹر فی سیکنڈ ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ تھوڑے
سے مادہ کو بھی توانائی میں تبدیل کرنے سے ایک ہلاکت خیز
طوفان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی واضح تصدیق جاپان
پر ایٹم بم کے گرنے سے ہو چکی ہے۔ یہ دوسری صورت
محض ہلکے عناصر ہائیڈروجن، یورانیم، لیتھیم، بریلیم وغیرہ
تک محدود ہے۔ توانائی کی یہ قسم جوہری مرکزوں کے
آپس میں مدغم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اونچے
درجہ حرارت پر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ امر خاص طور
پر قابل ذکر ہے کہ مختلف درجہ حرارت کے لئے
جوہری توانائی کے الگ الگ عمل متعین ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں
بیتھ (BETHE) نے سورج میں توانائی کے منبع کا
عمل تجویز کیا۔ اس عمل کو کاربن نائٹروجن سائیکل یا محض
کاربن سائیکل کا نام دیا جاتا ہے۔ اس عمل میں ہائیڈروجن
کاربن کے مرکزے سے مل کر چھ مراتب کے بعد ہیلیم
اور کاربن کے مرکزے پیدا کرتی ہے۔ یعنی اس طور سے
ہائیڈروجن تو ہیلیم میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر کاربن کا
وجود برقرار ہو جاتا ہے۔ درمیانی مراحل میں نائٹروجن
کے مرکزے بار بار ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ عمل دو کروڑ
درجہ حرارت کے قریب واقع ہوتا ہے جو کہ سورج
کا اندرونی درجہ حرارت ہے۔ سورج ترتیب عظمٰی کے
ستاروں میں واقع ہے اور ترتیب عظمٰی کے اکثر
ستاروں میں کاربن سائیکل ہی کارفرما ہے۔ کاربن
سائیکل کے عمل کے علاوہ دوسرے عمل بھی تجویز کئے
گئے ہیں جو دوسرے یعنی کم درجہ حرارت پر رونما
ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عمل ایسا ہے جس میں ہائیڈروجن
کے پروٹان ہی آپس میں اکٹھے ہو کر ہیلیم کا مرکزہ بنا دیتے
ہیں اور توانائی بھی پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح مزید ہلکوں
میں یورانیم، لیتھیم، بریلیم وغیرہ بروئے کار آتے
ہیں۔

ہائیڈروجن کی مقدار سے ستارہ کی عمر کا اندازہ

ستاروں میں روشنی اور حرارت کا باعث جوہری توانائی کا ظہور
ہے۔ اور جوہری توانائی پیدا کرنے میں ہائیڈروجن کو
سب سے زیادہ دخل ہے۔ یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے
کہ ہائیڈروجن کی مقدار جن ستاروں میں سب سے
زیادہ ہے وہی ارتقاء کی ابتدائی منازل میں ہیں۔
دوسرے قرائن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن
ستاروں میں ہائیڈروجن کی مقدار زیادہ صرف نہیں
ہوئی وہ عمر میں چھوٹے ہیں۔

والٹر باڈ کی تحقیقات

عالمگیر جنگ (۱۹۳۹-۴۵ء) کے دوران میں جرمن
ہیئت دان والٹر باڈ (WALTER BAADE)
نے کوہ ولسن پر کام کرتے ہوئے یہ امر دریافت کیا کہ
ستاروں کی جملہ اقسام دو آبادیوں میں منقسم ہو سکتی
ہیں۔ آبادی اوّل کہکشاؤں کے خمدار بازوؤں میں یعنی
بیرونی جانب واقع ہوتی ہے اور آبادی دوم مرکزی
حصہ میں۔ دونوں آبادیوں میں یہ نمایاں فرق ہے کہ
آبادی اوّل کے ستارے زیادہ روشن ہیں۔ اس کی
وجہ یہ معلوم کی گئی ہے کہ بیرونی بازوؤں کے علاقہ میں
گرد زیادہ پائی جاتی ہے اور مرکزی حصہ میں گرد بالکل
نہیں پائی جاتی۔ مرکزی حصہ کے مشابہ گول جھمکے کی طرز
کی کہکشائیں بھی ہیں۔ بیرونی بازوؤں کی سی حالت
کائنات کے بعض ایسے حصوں میں پائی جاتی ہے جہاں
گرد کثرت سے پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایسی گرد کے بعض
بادل دیکھے گئے ہیں۔ ایسے بادلوں کے ستارے اور

کہکشاں کے بیرونی بازوؤں کے ستارے ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ باڈی کی دریافت نے ہارٹ سپرنگ رسل کے نقشہ میں بھی ترمیم کر کے اسے زیادہ واضح اور مفصّل بنا دیا ہے۔ آبادی اوّل کے ستارے ترتیب عظمیٰ اور چھوٹے سُرخ دیو ستاروں پر مشتمل ہے اور آبادی دوم کے ستارے یا تو بڑے سُرخ دیو ستاروں پر مشتمل ہیں یا چھوٹے زرد سفید اور نیلے ستاروں پر جو بیشتر صفر مقدار تنویر کے قریب واقع ہیں۔ ہم مقدار تنویر کے نیچے دونوں آبادیوں کے ستارے ایک ہی نوعیت کے نظر آتے ہیں۔ گو اغلب امکان یہ ہے کہ ان ستاروں کی کیمیاوی کیفیت میں بھی فرق ہے۔ کیونکہ آبادی اوّل کے ستاروں میں جملہ دھاتوں کے عنصر موجود معلوم ہوتے ہیں۔ اس سوال پر ابھی پروفیسر شوارز چائیلڈ کام کر رہے ہیں۔

ستاروں میں ارتقاء کے مسئلہ کی موجودہ صورت

ستاروں کے ارتقاء کے متعلق مذکورہ بالا معلومات حاصل ہونے کے بعد اب اس مسئلہ کی یہ صورت قرار پائی ہے کہ آبادی اوّل یعنی کہکشاؤں کے بیرونی حصہ میں ستارے اب بھی معرض وجود میں آ رہے ہیں۔ ستاروں کے درمیانی خلا بظاہر خالی حصہ میں آفاقی گرد کے ذرات جن میں مختلف عناصر یا ان کے مرکبات ہوتے ہیں کیمیاوی عمل کے نتیجہ میں مقامی کثافت پیدا کرتے ہیں جس کے گرد مزید مادہ اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مادہ کے اکٹھا ہونے میں تجاذب —— (GRAVITATION) اور ستاروں کے اشعاعی دباؤ دونوں عمل برسرِ کار ہوتے ہیں۔ مادہ کا یہ کرہ بڑھتے بڑھتے ایسے فلکی جرم کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے جس کا بیرونی حصہ لطیف اور قلب نسبتاً کثیف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کرہ کی اندرونی کثافت کامل گیس کے قانون کے مطابق بلند درجہ حرارت پیدا کرتی ہے۔ حرارت سے اشعاعی دباؤ کا ردّ عمل پیدا ہوتا ہے اور ستارہ پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ اس پھیلاؤ اور تجاذب مادہ کی وجہ سے سیکڑنے میں توازن قائم ہو جاتا ہے تو مزید مادہ سمٹنے سے بعض دفعہ کرہ کے خط استوا کی بجائے طرفین کی طرف مادہ اکٹھا ہونے کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ دباؤ کے اختلاف سے محوری گردش کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے بعض دفعہ ستارہ کے پھیلاؤ، لطافت، اور درجۂ حرارت کے انحطاط کا عمل یکلخت سرعت اختیار کر جاتا ہے۔ گو اس کے ساتھ مجموعی تنویر میں کمی کی جگہ کچھ اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ ایسا پھیلاؤ سُرخ رنگ کے عظیم الجثہ ستارے پیدا کرتا ہے جنہیں سُرخ دیو کہا جاتا ہے۔ ان کی انتہائی مثال قلب عقرب ستارہ ہے جو بُرج عقرب کا روشن ترین ستارہ ہے۔ اس ستارہ کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ اس میں ۹ کروڑ سورج سما سکتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ان ستاروں کی تکوین میں کروڑہا سال صرف ہو جاتے ہیں۔ سُرخ ستاروں کے قلب میں کثافت کی وجہ سے حرارت اور اشعاعی دباؤ کا مقابلہ تجاذب مادہ کے سیکڑنے سے جاری رہتا ہے۔ اور بالآخر تجاذب کے دباؤ کو فوقیت حاصل ہو کر حرارت ترقی کرتی ہے۔ کثافت مزید بڑھتی ہے اور ستارے کا حجم کم ہوتا جاتا ہے۔ بعض ستارے تو حجم کی کمی، کثافت اور حرارت میں زیادتی کے مسلسل عمل کے ساتھ ترتیب عظمیٰ کے زرد ستاروں کی حالت کو پہنچ جاتے ہیں مگر بعض ستارے پھیلاؤ سیکڑنے کی کشمکش میں گرفتار ہو جاتے ہیں ایسے ستارے

معیّن عرصہ کے تغیر کا خاصہ پیدا کر لیتے ہیں یعنی ان کی چمک گھٹتی بڑھتی ہے اور چمک گھٹنے اور بڑھنے کا عرصہ معیّن ہوتا ہے۔ ایسے ستاروں کو سفیڈ (CEPHEID) ستارے کہا جاتا ہے۔ ان ستاروں کا حجم بھی بتدریج کم ہوتا ہے اور اندرونی درجۂ حرارت ترقی کرتا ہے۔ اور جیسے جیسے حجم کم ہوتا ہے عرصۂ تغیر بھی کم ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ یہ ستارے بھی ترتیب عظمیٰ کے زرد ستاروں کے قریب خواص پیدا کر لیتے ہیں۔ ترتیب عظمیٰ کے وہ ستارے جو محوری گردش کی ترقی سے بچ نکلتے ہیں انکے اندرونی درجۂ حرارت میں سرعت سے ترقی ہو جاتی ہے اور وہ ترتیب عظمیٰ کے خطِ مستقیم کے ساتھ ساتھ ترقی کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں جوہری توانائی کی کاربن سائیکل بروئے کار آتی ہے۔ ان کا مرکزی درجۂ حرارت ۲ کروڑ کی حد کے قریب ہوتا ہے اور طویل عرصہ تک اس کے قریب رہتا ہے۔ ترتیب عظمیٰ کا اوسط درجہ کا ستارہ ہمارا سورج ہے اور مزید ترقی یافتہ صورت ستارہ شعریٰ الف سے ظاہر ہوتی ہے جو حجم میں سورج سے ۱/۲ ۲ گنا بڑا ہے اور تنویر میں پچیس گنا زیادہ۔ ترتیب عظمیٰ میں تنویر حجم کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہے اور کثافت بھی بڑھتی ہے۔ اس عرصہ میں ستارہ بیرونی مادہ سمیٹنے کا عمل جاری رکھتا ہے۔ ہائیڈروجن کا انخلاء بالآخر مرکز سے شروع ہو کر باہر کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اس سے اشعاعی دباؤ مرکز سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ یہ امر حجم میں اضافہ کا باعث بھی ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ہیلیم کی مقدار بڑھتی ہے ستارے کی تنویر ترقی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ نیلے دیو ستاروں کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کی مثال مجمع النجوم الجبار کے نیلے ستارے ہیں۔ اس انتہائی کمال کے بعد زوال شروع ہوتا ہے اور ہائیڈروجن کے فقدان کے باعث جوہری توانائی کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اشعاعی دباؤ میں کمی واقع ہوتی ہے اور ستارہ سکڑنا شروع ہوتا ہے جس سے لامحالہ کثافت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں حرارت کا منبع تجاذبِ مادہ کا اصل ہوتا ہے۔ یہ حالت سفید بونے ستاروں کی ہے۔

آبادی دوم میں ستاروں کی ابتدا تو آبادی اوّل سے مشابہ ہے البتہ سُرخ دیو ستارے اس آبادی کا زیادہ نمایاں حصہ ہیں۔ اور اس کے زرد، سفید اور نیلے ستارے تنویر کی صفر مقدار سے اُوپر ترقی کئے ہوئے نہیں پائے گئے۔ یہ تفاوت جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہکشاؤں کے مرکزی حصہ میں بظاہر ستاروں کے جمگھٹا کے باعث آفاقی گرد کا فقدان ہے جس کے نتیجہ میں ان ستاروں کو باہر سے مزید ہائیڈروجن حاصل کرنے اور توانائی میں اضافہ کرنے میں روک پیدا ہوتی ہے۔ پس اس آبادی میں ایک عرصہ کے بعد نئے ستارے معرضِ وجود میں آنے بند ہو گئے ہیں اور یہ حصہ کہکشاں کا "بوڑھا" نظر آنے لگتا ہے۔

کارخانۂ قدرت میں خالق کائنات کے نشان

کارخانۂ قدرت کے ان عظیم الشان مظاہر کے ارتقاء کی کہانی میں ابھی بہت سے حصے قابلِ حل مسائل رکھتے ہیں۔ تاہم ارتقاء کا ایک بہت حد تک تسلی بخش ڈھانچہ تیار ہو چکا ہے۔ اس عالمِ کبیر کی ابتداء کے بعد سیاروں کی دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے جس کی اپنی کہانی طویل ہے۔ کروڑوں سیاروں کا وجود ثابت ہو جانے پر بھی کرۂ ارض جیسے سیارے کے وجود کا امکان نوادرِ قدرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ اس کرۂ پر اربوں سال سے مظاہرِ حیات ظاہر ہوتے رہے ہیں مگر انسان کا وجود ایک نادر عجوبہ کی حیثیت سے چند لاکھ سال پہلے ظاہر ہو سکا ہے۔ مہذب انسان تو بہرحال چند ہزار سال سے قبل موجود نہ تھا۔ غور کیجئے مشیتِ الٰہی نے

انسان کی شکل میں کائنات کا خلاصہ پیدا کرنے میں کتنے وسیع انتظام کو حرکت دی ہے۔ اس نظام کی عظمت کا مطالعہ کرکے انسان کے لیے یہ باور کرنا کیا مشکل ہے کہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ۔

نادان شخص کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے قبل خدا تعالےٰ کیا (نعوذ باللہ) بیکار بیٹھا تھا؟ مگر غور و فکر کے عادی شخص کے لئے قدرت کی کھلی کتاب قرآن مجید کے مذکورہ جواب کی ایسی تفسیر کر رہی ہے جس کو تحریر کرنے لگیں تو جہان بھر کے درخت اتنے قلم مہیا نہ کر سکیں اور سمندر اس قدر سیاہی نہ مہیا کر سکیں جس سے اس تفسیر کی تفاصیل درج ہو سکیں۔ پس انسان کے لئے واجب ہے کہ اپنے رب کے حضور سرِ تسلیم خم کرے۔ وہ رب جس کی وسیع قدرتوں کا احاطہ کائنات کے ہر امکانی حصہ پر ہے اور جو انسان کے قلب میں اپنے کلام کی گونج پیدا کرتا ہے۔ جس کے نشانات ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ظاہر ہوتے رہے ہیں مگر خصوصیت سے علمی ترقی کے موجودہ زمانہ میں اس کے نشانات کی بھرمار ارضی اور آفاقی علاقوں سے ہو رہی ہے۔ اور اس زمانہ میں اس نے اپنا مامور مبعوث کرکے دُنیا پر دوہرا احسان فرمایا ہے۔

تخلیقِ عالم کی کہانی کے بے شمار پہلو ہیں۔ یہ کہانی نہایت دلچسپ بھی ہے اور دراز بھی۔ اس کہانی کی حقیقی لذت مومن کے حصہ میں آئی ہے جو مادہ کے جوڑ توڑ کا پس منظر اللہ تعالیٰ کی مشیت کی شکل میں دیکھتا ہے۔ خشک فلسفی کے حصہ میں تمام مباحث کے آخر میں سرگردانی ہی سرگردانی ہے۔ مومن کے لئے نئے علوم کے ذریعہ جنت کے نئے ابواب کا افتتاح ہوتا ہے۔ آخر غور کیجیے آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے ایک رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسے نشانات کی بنیاد کلامِ الٰہی میں رکھ دی جس کے لئے اس نے تدبیر کے ایک لمبے سلسلہ کی بنیاد رکھی اور آج ان نشانات کی تفصیل ہم پر واضح ہو رہی ہے۔ دہریہ کی کوتہ نظری مادہ پر رُک گئی ہے مگر قلبِ سلیم کے لئے زیادہ دُور رس نگاہ مقدر ہے۔ اس کو ہر تبدیلی کے ہمراہ ملائکہ کی فوج نظر آتی ہے جو مادی اور روحانی دونوں علاقوں میں یکساں مصروفِ عمل ہے۔ ان افواج کے پیچھے اسے ہمیشہ ایک ہی چہرہ نظر آتا ہے جس کا جلوہ خود اس کی روح سے منعکس ہونا اس کا مقصدِ حیات ہے۔ پس مطالعہ ہذا کا لبِّ لباب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ ٭

کائنات کی آواز

ہر دم از کاخِ عالم آواز لیست
کہ یکے ہست بانی و بناساز لیست
نہ کس او را شریک و انباز لیست
نے بکارش دخیل و ہمراز لیست
ایں جہاں را عمارت انداز لیست
واز جہاں برتر است و ممتاز لیست
وحدہٗ لاشریک حیّ و قدیر
لم یزل لایزال فرد و بصیر
کارسازِ جہان و پاک و قدیم
خالق و رازق و کریم و رحیم

مسلمانوں کے علمی کارناموں کا محرّک قرآن مجید ہے

قرآنی تعلیم کی افضلیت کے متعلق اہلِ مغرب کا اعتراف

(از جناب میاں مسعود احمد صاحب بی اے نائب ایڈیٹر الفرقان)

قرآن مجید تمام علوم کا منبع و مصدر ہے۔ بظاہر یہ ایک مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے نجات پانے، علم و حکمت سے بہرہ ور ہونے، تحقیق و تدقیق کی بدولت قوانینِ قدرت کی کنہ و کیفیت معلوم کرنے اور نت نئے انکشافات کی خاطر اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر جتنا زور قرآن مجید نے دیا ہے اتنا کسی دوسری مذہبی کتاب نے نہیں دیا۔ اس میں شک نہیں تمام دنیوی علوم کی تفصیلات تو قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئیں لیکن اس میں ہر علم سے متعلق اشارات کی شکل میں بنیادی تعلیم ضرور موجود ہے جس کی مدد سے انسان علم کے ہر شعبہ میں خواہ وہ آرٹس سے تعلق رکھتا ہو یا سائنس سے ترقی کر کے بنی نوعِ انسان کیلئے فلاح و بہبود کی راہیں تلاش کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں جب تک کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم پر پوری طرح عمل پیرا رہے علمی ترقی کے میدان میں وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ آج اہلِ مغرب جنہیں اپنے علم و فضل پر بے حد ناز ہے تعریف کئے اور داد دیئے بغیر نہیں رہتے۔ اہلِ مغرب نے تہذیب و تمدن کی جتنی کتابیں بھی لکھی ہیں ان میں انہوں نے مسلمانوں کے علمی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کم زورِ قلم نہیں دکھایا ہے اور نہایت فراخدلی سے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں نے دُنیا میں اس وقت علوم و فنون کے دریا بہائے جب یورپ جہالت اور توہم پرستی کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ ان تمام علمی کارناموں کی محرّک قرآن مجید کی بے مثل تعلیم تھی۔ چنانچہ ذیل میں ہم پہلے علم کی اہمیت کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم پر روشنی ڈالیں گے اور پھر اس امر کا جائزہ لیں گے کہ اس تعلیم کا مسلمانوں کی عملی زندگی پر کیا اثر ہوا۔

علم و حکمت کے متعلق قرآن مجید کی بے مثل تعلیم

جہالت سے نجات پانے کی تلقین

قرآن مجید نے مسلمانوں پر علم و حکمت کی فوقیت اور اس کی اہمیت واضح کرنے میں ایک خاص اسلوب سے کام لیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے مسلمانوں کو جہالت سے بچنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی آیات جا بجا ملتی ہیں جن میں جاہلوں سے اعراض کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یا یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ میں اِس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرا شمار جاہلوں میں ہو۔ جیسا کہ فرمایا۔ أَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (اعراف رکوع ۲۴) یا یہ کہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (بقرہ ع)

مزید برآں اس نے یہ امر بھی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جہالت سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں تو قرآن ہمیں صاف یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت معلوم کئے بغیر محض ظن اور قیاس پر اس کی بنیاد نہ رکھے اور خیالی باتوں کی پیروی نہ کرے۔ کیونکہ وہم اور خیال کو حقیقت کا درجہ دینے کا نام ہی جہالت ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرے، اور اس طرح علمی ریسرچ کے میدان میں ترقی کرتا رہے۔ وہ اسی چیز کو قابل عمل گردانتا ہے جو یقین کی حد تک پہنچانے والی ہو۔ چنانچہ اس بارے میں قرآن کا صاف اور واضح حکم یہ ہے کہ:-

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ؕ
إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

(بنی اسرائیل رکوع ۴)

"جس بات کا تجھے علم نہیں اس کی پیروی نہ کر۔ یاد رکھ کان آنکھ اور دل سب سے اس بات کی پرسش ہوگی"

اس آیت میں ایسی بات کی پیروی یا اس پر عمل سے روکا گیا ہے جس کا انسان کو پوری طرح علم نہ ہو۔ اسکے بالمقابل تاکید کی گئی ہے کہ انسان کان، آنکھ اور دماغ سے کام لیکر ہر چیز کا علم حاصل کرے اور یقین کے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد اس پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ خدا نے قوت سامعہ، قوت باصرہ، عقل صحیح اور اسی قسم کی دوسری صلاحیتیں انسان کو اسی لئے عطا کی ہیں کہ انسان ان سے کام لیکر انہیں حصول علم کا ذریعہ بنائے۔ اگر کوئی شخص ان سے کام نہ لیتے ہوئے محض خیالی باتوں کے پیچھے پڑا رہیگا اور حق تک پہنچنے کی کوشش نہیں کریگا تو اس سے اس بات کی بازپرس کی جائے گی کہ اس نے ان صلاحیتوں سے کام کیوں نہیں لیا اور اپنے اوپر دینی و دنیوی ترقی کے دروازے کیوں بند کئے رکھے۔ یہ قوی اور صلاحیتیں ہیں ہی اسلئے کہ انسان دین ہو یا دنیا ہر آن ان کی جستجو میں لگا رہے اور حقائق معلوم کئے بغیر دم نہ لے۔ اس آیت کریمہ میں جہالت سے نجات پانے اور علم حاصل کرنے اور کرتے چلے جانے کی نہایت حکیمانہ انداز میں تلقین کی گئی ہے۔

حصول علم کی ترغیب

جہالت سے بچنے کی ترغیب کے علاوہ قرآن مجید نے صاف اور واضح الفاظ میں علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس بارے میں اس نے پہلے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے کوئی چیز بھی اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:-

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (اعراف)

"ہمارے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے"

یہ بتانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اور ہر چیز پر حاوی ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی ہے کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں بھی علم عطا کر اور پھر اس علم کو بڑھاتا رہ اور ہمارے لئے ایسے حالات پیدا کر دے کہ ہمارے علم میں ہر آن اضافہ ہوتا رہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید نے جو دعا سکھائی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:-

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ رکوع ۶)

"اے سب جہانوں کے پالنے والے! میرے علم کو بڑھاتا رہ۔"

قرآن مجید نے ترغیب دی ہے کہ مسلمان ہر آن علم میں ترقی کے لئے کوشاں رہیں اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ

خَیْرًا کَثِیْرًا - (بقرہ رکوع ۳۷)
جسے علم و حکمت دی گئی یقیناً اُسے بہترین
دولت عطا ہوئی۔"

اس ضمن میں قرآن نے یہ تلقین بھی کی ہے کہ جو لوگ اہلِ
علم ہیں وہ دوسروں کو علم سکھائیں اور جن کو کسی بات کا
علم نہ ہو ان کو چاہیئے کہ وہ اہلِ علم سے استفادہ کریں
اور اس طرح لوگ ایک دوسرے سے دریافت کرکر کے
اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں۔ چنانچہ اہلِ علم کیلئے فرماتا ہے:۔

ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ
(الذاریات رکوع ۳)
نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت ایمان والوں
کو فائدہ پہنچاتی ہے۔"

ذکر میں اعادہ کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس اعتبار سے
اس کے یہ معنی ہوں گے کہ لوگوں کو بار بار یاد دلاتے رہنا
چاہیئے تاکہ وہ کسی مرحلہ پر بھی وہم کا شکار نہ ہونے پائیں۔
بلکہ ہر آن طلبِ علم میں کوشاں رہیں۔ دوسری طرف قرآن مجید
عام لوگوں کو نصیحت کرتا ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (نحل رکوع ۶)
اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہلِ علم سے
پوچھ لیا کرو۔"

سو گویا ان آیات میں علم کی اہمیت، علم حاصل کرنے کا
طریق اور علم کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے
کی ترغیب، سب کچھ ہی بیان کر دیا گیا ہے۔

جہالت اور علم کا موازنہ

جہالت سے بچنے اور علم حاصل کرنے کی علیحدہ علیحدہ تلقین
کے علاوہ قرآن مجید نے ایک اسلوب یہ اختیار کیا ہے کہ
دونوں کا موازنہ کرکے بتایا ہے کہ جہل اور علم ہرگز برابر
نہیں ہو سکتے۔ جاہل آدمی غلط باتوں کے پیچھے پڑ کر نقصان
اٹھاتا اور ہمیشہ خسارہ میں رہتا ہے۔ برخلاف اس کے
علم کی تلاش میں رہنے والا ترقی کرکے خود بھی فائدہ اٹھاتا
ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ
وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔
ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ
جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟"

یعنی عالم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ دونوں
میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اس کے بعد ایک اور
آیت میں قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ جو لوگ اپنی
صلاحیتوں سے کام لیکر علم حاصل کریں گے وہ فائدے
میں رہیں گے اور جو ان صلاحیتوں کو کام میں لا کر ناشکری
کے مرتکب ہوں گے اس کا وبال خود اُن پر ہی ہو گا جیسا کہ
فرمایا:۔

مَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ
فَعَلَیْھَا۔ (انعام رکوع [illegible])
جو کوئی دیکھے اور سمجھے اس کا فائدہ اسی کیلئے
ہے اور جو اپنی آنکھیں موندلے تو اس کا
وبال اسی پر آئے گا۔"

قوانینِ قدرت کی تسخیر

جہالت سے بچنے اور حصولِ علم میں کوشاں رہنے کی عام
ترغیب کے علاوہ قرآن مجید نے علم سے عملی رنگ میں فائدہ
اٹھانے پر بھی بہت زور دیا ہے۔ اس بارے میں قرآن نے
غور و فکر اور تدبر سے کام لینے اور اس طرح نیچر کی
پوشیدہ طاقتوں کا حال معلوم کرنے کی طرف خاص توجہ
دلائی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کا یہ حصہ خاص اہمیت کا
حامل ہے۔ کیونکہ تمام جدید انکشافات، علوم و فنون میں
ترقی اور دنیوی زندگی کی فلاح و بہبود کا تمام تر دارومدار
اسی پر ہے۔ قرآن نے بار بار یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ تسخیر

وتری، چاند وسورج، زمین وآسمان، الغرض آفاق کی ایک ایک شے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بنائی ہے اور انہیں اس کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لیکر ان سے اپنے لئے آرام و آسائش اور ترقی کے سامان پیدا کر سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

(ابراہیم رکوع ۵)

"کشتی اور جہاز کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ وہ دریا اور سمندر میں اُسی کے حکم سے چلتے ہیں۔ دریا اور ندیاں بھی تمہاری مطیع ہیں۔ سورج اور چاند کو بھی اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے جو ہمیشہ نقل و حرکت میں ہیں۔ اس نے رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور جو جو چیز تم نے مانگی وہ سب اس نے تم کو دی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو یہ تمہارے لئے ممکن نہ ہو سکے گا کہ تم اسے شمار کر سکو۔ بے شک انسان بہت بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

یہ بتانے کے بعد کہ کائنات کی ہر شے انسان کی مطیع بنائی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا ہے کہ یہ سورج، یہ چاند، یہ زمین اور آسمان، خشکی و تری اور دن اور رات کا تسلسل صرف اسی طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ تم کو نظر آتا ہے بلکہ ان میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں اور بہت سی باطنی طاقتیں ان میں رکھی گئی ہیں۔ جو بادی النظر میں تمہیں دکھلائی نہیں دیتیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۝ (لقمان رکوع ۳)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم کو پوری پوری دیدیں۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو جو طاقتیں کارفرما ہیں ان میں لوگوں کیلئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں لیکن افسوس میرے بندے ان پر غور نہیں کرتے حالانکہ ان پر انہیں غور کر کے ان کی کنہ و کیفیت معلوم کرنی چاہیئے۔ اور ان کو اپنے کام میں لاکر اُن سے نئے نئے رنگ میں فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۔ (یوسف رکوع ۱۲)

"آسمان اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن کو وہ دیکھتے رہتے ہیں مگر (حقیقت یہ ہے کہ) ان سے مُنہ پھیر لیتے ہیں (یعنی غور و فکر نہیں کرتے)"

اس کے بالمقابل وہ ایمان لانے والوں میں سے اہلِ خرد کی یہ نشانی بتاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں سے اس طرح مُنہ نہیں پھیرتے بلکہ ان میں ہر آن غور و فکر سے

کام لے کر اس یقین پر اور زیادہ مضبوطی سے قائم ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں بے فائدہ نہیں بنائیں :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

(آل عمران رکوع ۲۰)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے اختلاف میں یقیناً عاقلوں کے لئے بہت سے دلائل ہیں۔ یہ وہ عاقل ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ لیتے (یعنی ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش پر غور کرتے رہتے ہیں (اور جب کچھ انکشاف ہوتا ہے) تو کہہ اٹھتے ہیں اے ہمارے پالنے والے تو نے یہ سب فضول اور بیکار نہیں بنایا"

پھر فرماتا ہے کہ ایسے ہی اہلِ خرد کی تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے نتیجے میں آسمان و زمین کے سربستہ راز کھلتے چلے جائیں گے اور بالآخر انسانوں پر یہ واضح ہوتا چلا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وضع کردہ قوانینِ قدرت ایک زندہ حقیقت ہیں :-

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حٰم سجدہ رکوع ۱)

ہم ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں کائناتِ ارضی و سماوی میں اور خود اُن کے وجود میں دکھاتے رہیں گے حتیٰ کہ اُن پر اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک اللہ اور اس کا قانونِ قدرت حق ہے"

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد کہ کائناتِ ارضی و سماوی کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی ہے اور اہلِ خرد کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ہر آن کائنات کے ذرہ ذرہ کی تخلیق اور اس کی پیدائش پر غور کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قانونِ قدرت کے راز انہی لوگوں پر کھولے جائیں گے جو آفاق میں بکھری ہوئی نشانیوں اور علامتوں پر غور و فکر کریں گے۔ اور اس بارے میں پوری تحقیق و تدقیق سے کام لیں گے۔ چنانچہ ان نت نئے انکشافات کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی ہے :-

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ (عنکبوت رکوع ۷)

جو لوگ ہمارے احکامات کی تعمیل میں محنت و مشقت برداشت کریں گے ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے۔ (یعنی فلاح و کامیابی کے طریقے ان پر منکشف کریں گے)

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے محض کتابی یا درسی علم حاصل کرنے کی طرف ہی توجہ نہیں دلائی ہے بلکہ اس امر پر زور دیا ہے کہ کائنات کی تخلیق اور قوانینِ قدرت کی کارفرمائی پر غور و فکر دینی و دُنیوی ترقی کے پیشِ نظر انسان کے لئے از حد ضروری ہے۔ اس کے نتیجے میں جہاں انسان تعلق باللہ میں ترقی کرے گا وہاں نئے نئے انکشافات کے باعث دُنیوی ترقی کے راستے بھی اس پر کھل جائیں گے قرآن مجید کی یہ بے مثل تعلیم جملہ دُنیوی علوم پر جس میں سائنسی علوم بھی شامل ہیں حاوی ہے۔

مسلمانوں کے علمی کارنامے

یہ اسی ہمہ گیر تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمانوں کو جب دُنیا میں اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے علمی ریسرچ کے میدان میں

وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جن پر دنیا آج بھی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتی۔ علوم و فنون کی ترقی کیلئے مسلمانوں نے جو عظیم یونیورسٹیاں قائم کیں اور ان میں تعلیم و تدریس اور ریسرچ کے جس نئے نظام کی بنیاد ڈالی اُس وقت کی معلومہ دنیا میں اس کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ حتیٰ کہ یورپ کے لوگوں کے لئے مسلم یونیورسٹیوں کا فارغ التحصیل ہونا ایک قابلِ فخر چیز سمجھی جاتی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے بکثرت آ آ کر ان یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور اس طرح اسلامی علوم کو یورپ میں رائج کر کے وہاں کے کروڑوں انسانوں کو جہالت اور توہم پرستی کی لعنت سے نجات دلائی۔ چنانچہ پروفیسر ایچ۔ اے۔ ڈیویز اپنی کتاب

"An Outline History of the world"

کے صفحہ ۲۸۴ و ۲۸۵ پر لکھتے ہیں:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد پانچ سو سال کے اندر اندر اُن کے ماننے والوں نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد ڈالی جو اس نظام سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ تھی جو اس وقت یورپ میں رائج تھا۔۔۔ ۔۔۔۔ انہوں نے ایسی ایسی عظیم یونیورسٹیاں اور دارالعلوم قائم کئے کہ یورپ کے تعلیمی ادارے صدیوں اُن کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان میں سے بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں خاص طور پر مشہور تھیں۔ قاہرہ کی یونیورسٹی میں کم از کم بارہ ہزار طلبہ بیک وقت تعلیم پاتے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں بڑی بڑی لائبریریوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں سے بعض لائبریریوں میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں تھیں جنہیں خاص ترتیب کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ مزید برآں ان کی فہرستیں اور نشاندہی کے جملہ انتظامات پوری طرح مکمل تھے۔ قرطبہ کی یونیورسٹی میں بہت سے عیسائی طلبہ بھی پڑھتے تھے۔ وہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب اپنے اپنے ملکوں میں واپس گئے تو اُن کے ذریعہ ان ممالک میں بھی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کا چرچا ہوا۔ پیرس، آکسفورڈ اور شمالی اٹلی کی یونیورسٹیوں پر اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں کا گہرا اثر پڑنا لازمی تھا۔ قرطبہ کی یونیورسٹی کے مشہور ترین عیسائی طلبہ میں سے ایک Gerbert نامی طالب علم تھا جو بعد میں سلویسٹر ثانی کے نام سے پاپائے روم کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس نے اپنے وقت میں یورپ کے اندر ریاضی کے علوم کو رائج کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔

دنیائے سائنس بڑی حد تک مسلمانوں کی مرہونِ منت ہے۔ انہوں نے عربی ہندسوں اور اعداد کا علم ایجاد کیا۔ الجبرے کا علم تو یکسر انہی کے دماغ کی اختراع ہے۔ انہوں نے علم مثلث (trigonometry) علم بصریات (Optics) اور علم نجوم (astronomy) کو ترقی دی۔ لنگر (Pendulum) ایجاد کیا اور علم طب کو عروج پر پہنچایا۔ انہوں نے فزیالوجی اور ہائیجین کا مطالعہ کیا اور جراحت کے میدان میں بعض مشکل ترین اپریشن سرانجام دیئے۔ انہیں نیند آور ادویہ (anaesthetics) کے استعمال کا طریق بھی آتا تھا۔ مختلف امراض کے علاج کے جو طریقے انہوں نے ایجاد کئے

ان میں سے بعض آج کے دن تک رائج چلے آرہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ یورپ میں کلیسا نے دواؤں کا استعمال ممنوع قرار دے رکھا تھا اور جھاڑ پھونک کے ذریعے خیالی بھوت کو بھگانا ہی بیماریوں کا بہترین علاج تصور کیا جاتا تھا اور یورپ میں عطائیوں اور ٹوٹکے باز حکیموں کی بھرمار تھی، مسلمانوں کے ہاں طبی سائنس کا حقیقی علم موجود تھا۔ بو علی سینا ان کے نامور ترین حکماء میں سے ہے۔ وہ ترکستان میں بخارا کے قریب پیدا ہوا تھا۔ لٹریچر کے میدان میں بھی دنیا تے فکر عربوں کی کچھ کم مرہون نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ بنی نوع انسان کی ذہنی اور فکری حیات پر مسلمانوں کا ایک اور اہم احسان کاغذ کی صنعت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ خالصتہً ان کی اپنی ایجاد نہیں تھی (غالباً انہوں نے چینیوں سے یہ فن حاصل کیا) لیکن یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ یورپ میں اس فن کو رائج کرنیوالے مسلمان ہی تھے۔ اس سے قبل کتابیں مختلف پارچات یا papyrus کی چھال وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں۔ مصر پر عربوں کا تسلط ہوجانے سے یورپ کو papyrus کی فراہمی منقطع ہوگئی تھی۔ اگر ان کے ذریعہ کاغذ کی فراہمی عام نہ ہوتی تو طباعت کا فن بھی بے فائدہ تھا۔ اور یورپ میں تعلیم کا وسیع نظام قائم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔"

خالص علمی میدان کے علاوہ زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ میں مسلمانوں نے جو ترقی کی اور جو نئے نئے اصول اور طریقے وضع کئے اہلِ مغرب نے اپنی کتابوں میں ان پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ سے متعلق کسی بھی کتاب میں مسلمانوں کی اس ترقی کا حال مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز بھی جن کا اسلام کے خلاف تعصب اظہر من الشمس ہے جب اپنی کتاب "Outline of History" میں مسلمانوں کے علمی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہتے کہ:-

"And a century or so in advance of the West, there grew up in the Moslem world at a number of centres, at Basra, at Kufa, at Bagdad and Cairo, and at Cordoba out of what were at first religious school dependent upon mosques, a series of great Universities. The light of these Universities shone far beyond the Moslem world and students were attracted to them from east and west. At Cordoba in particular there were great numbers of Christian students, and the influence of Arab Philosophy coming by way of Spain upon the universities of Paris, Oxford, and North Italy and upon western European thought generally

was very consiviarable indeed. The name of Averroes (Ibn rashd) of Cordoba stands out as that of the culminating influence of Arab Philosophy upon European thought."

ترجمہ:- مغرب کے مقابلہ میں کئی صدیاں قبل ہی اسلامی دُنیا کے شہروں بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ وغیرہ میں بہت سے تعلیمی مراکز قائم ہو گئے تھے۔ ابتداء میں یہ محض مذہبی مدرسوں کی حیثیت رکھتے تھے جن کا تمام تر دارومدار مسجدوں پر تھا لیکن بعد میں انہی میں سے عظیم یونیورسٹیوں کا ایک سلسلہ نمودار ہوا۔ ان یونیورسٹیوں سے علم کی روشنی اسلامی دنیا کی حدود سے نکل کر دُور دُور تک پھیلتی چلی گئی۔ خاص طور پر قرطبہ میں عیسائی طلبہ کی ایک بھاری تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی۔ عرب فلسفہ کا پیرس، آکسفورڈ، شمالی اٹلی اور مغربی یورپ کے مکاتیبِ خیال پر بلاشبہ گہرا اثر پڑا۔ قرطبہ کے ایک ابن رشد کا نام ہی عرب فلسفہ کے اس انتہائی اثر کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے جو اس زمانے میں یورپ کے قلب و ذہن پر چھایا ہوا تھا۔"

الغرض مسلمانوں کے علمی کارناموں سے اُس وقت سارا یورپ متمتع ہو رہا تھا۔ اور اگر ۷۳۲ء عیسوی میں Tours کے مقام پر مسلمانوں کو شکست نہ ہو گئی ہوتی تو تمام مغربی یورپ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے سے علوم و فنون کی ترقی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا اور یورپ اسلامی تہذیب و ثقافت سے براہِ راست فائدہ اٹھا کر خود اس رنگ میں شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو جاتا کہ جو اس کے لئے موجودہ لادینی تہذیب سے کہیں زیادہ قابلِ افتخار ہوتی۔ اسلامی تہذیب کی برتری کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آج خود یورپی مؤرخین چارلس مارٹل کی فتح پر خوش ہونے کی بجائے افسوس کا اظہار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ وہ صاف لکھتے ہیں کہ اگر ۷۳۲ء عیسوی میں چارلس مارٹل کے ہاتھوں عبدالرحمٰن کی فوجوں کو شکست نہ ہوتی اور سارا مغربی یورپ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ جاتا تو یورپ میں کئی صدیاں قبل ہی علمی ترقی کا دور شروع ہو جاتا اور علمی ریسرچ کے میدان میں اہلِ یورپ کہیں سے کہیں نکل جاتے۔ چنانچہ مسٹر ایچ۔ اے ڈیویز اپنی مذکورہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں:-

" It is doubtful whether the victory of Charles and his barbarous soldiers is such a good thing as many historians are apt to imagine. If the Mohammadans had been allowed to settle in southern France, they would almost certainly have developed science and art much more rapidly than did the Franks. The kingdoms which they established and developed in Spain was far greater and more prosperous than the Christian kingdoms to the north of them."

(An Outline History of the World. Page 279-280)

ترجمہ:- یہ امر مشکوک ہے کہ آیا فی الواقعہ چارلس مارٹل اور اس کے وحشی سپاہیوں کی فتح اُس تعریف و توصیف کی مستحق ہے جس کا بہت سے مؤرخ اُسے لازمی طور پر مستحق گردانتے ہیں اگر مسلمانوں کو جنوبی فرانس میں پاؤں جمانے کی اجازت دیدی جاتی تو وہ یقینی طور پر فرینک قوم کے مقابلہ میں اس سائنس اور دیگر علوم و فنون کو کہیں زیادہ تیزی اور سرعت کے ساتھ ترقی دیتے۔ اندلس میں مسلمانوں نے جو سلطنت قائم کی اور اُسے عروج پر پہنچایا وہ ملحقہ عیسائی مملکتوں سے کہیں زیادہ عظیم اور خوشحال تھی۔"

عظمتِ قرآن کا اعتراف

جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے علوم و فنون میں مسلمانوں کی یہ حیرت انگیز ترقی قرآن مجید کی بے مثل تعلیم کی وجہ سے تھی۔ یہ امر محض خوش فہمی یا خوش عقیدگی پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود یورپ کے اہلِ فکر اور اہلِ علم حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں میں علوم و فنون کا جو ذوق و شوق جو چرچا نظر آتا ہے اس کی وجہ ان کی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں علم کی عظمت اور حصولِ علم کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسٹر ہوریس شپ (Mr. Horace Ship) اپنی کتاب "Books that moved the world" کے ص۲۳۳ پر لکھتے ہیں:-

"Those words had turned a number of wild desert-tribes from superstitious animists and idol worshippers into a nation of warrior heroes ready to give their lives gladly for the one God, whom their Prophet preached. ...... A great culture amalgamating the knowledge of the East and the West followed, immensely advancing human knowledge in its grasp of mathematics, geometry and other forms of scientific learning. Alongside the mosque stood the College wherein these people, so avid in their love of learning, discussed all questions with far greater freedom than the Christians of their time. The Arab method of numerals supplanted the cumbersome Roman System, and opened up new possibilities in mathematics. This whole Mohammadan Civilization after the death of the Prophet was

tied together by the Koran and its teaching, the undeniable echo of his inspired voice. Little wonder that when the people of Mecca, in the early days of his mission, asked him to perform miricles, he replied that his revelation, the Koran, was itself a miricle straight from God."

ترجمہ:- ان الفاظ نے (مراد قرآن مجید سے ہے۔ ناقل) عرب کے چند بادیہ نشین قبائل کو توہمات اور بت پرستی کے شکنجے سے نکال کر انہیں جنگجو اور بہادروں کی قوم میں تبدیل کر دیا جو اس خدائے واحد کی راہ میں بخوشی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتے۔ جس کی پیغمبر اسلام نے ان کو تعلیم دی تھی۔۔ ۔۔۔۔ اس کے ذریعہ ایک ایسی عظیم بالشان ثقافت معرض وجود میں آئی جس میں مشرق و مغرب کا علم سمویا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے علم ریاضی، علم نجوم، علم کیمیا، علم طب، علم اشکال اور دیگر سائنسی علوم کو سمجھنے کے اعتبار سے انسانی فہم و ادراک میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ یا کالج ہوتا تھا جس میں یہ لوگ جو تحصیل علم کی تڑپ سے پوری طرح بہرہ مند تھے۔ ہر قسم کے مسائل پر باہم اپنے وقت کے عیسائیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے اور بحث و تمحیص میں حصہ لیتے تھے۔ عربوں نے ہندسوں کا جو علم ایجاد کیا اس نے رومیوں کے پیچیدہ سسٹم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس طرح ریاضیات میں ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد اس تمام اسلامی تہذیب کا شیرازہ قرآن اور اس کی تعلیم کی وجہ سے بندھا رہا۔ اسی قرآن کی وجہ سے جو پیغمبر اسلام کی زبانِ وحی حق ترجمان کا درجہ رکھتا تھا۔ اس بارے میں تعجب بے محل ہے کہ جب کہ دورِ رسالت کے ابتدائی دنوں میں اہل مکہ نے پیغمبر اسلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے جواب میں کہا۔ یہ وحی جو قرآن کی شکل میں مجھ پر نازل ہو رہی ہے براہِ راست خدائے واحد کا ایک زندہ معجزہ ہے۔"

اسی طرح آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے چیف اورٹیل ریڈر مسٹر جان نیش ایم۔ اے (آکسن) ڈی۔ ڈی (لنڈن)۔ (Mr. John Naish) قرآنی اقتباسات "the wisdom of the Quran" کی مشہور کتاب کے دیباچہ میں تحصیل علم کے متعلق قرآن مجید کی مذکورہ بالا تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" The Quran tells us that man only know

the surface of life. Implicitly it invites us to penetrate below that surface and attempt to grasp the meanings of things. Man, it declares, is himself a source of wonders and miricles." (Page xxxvii)

ترجمہ:۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ حیاتِ انسانی کے متعلق لوگوں کا علم بالکل سطحی نوعیت کا ہے۔ وہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم سطحی علم سے آگے بڑھ کر تعمق سے کام لیں اور حقائق الاشیاء کو معلوم کرنے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ کہتا ہے انسان بذاتِ خود عجائبات اور معجزوں کا منبع و مصدر ہے۔"

اسی طرح مسٹر برٹرم تھامس (Mr. Bertram Thomas) نے بھی جو مشرق وسطیٰ میں عرصۂ دراز تک مختلف عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں مسلمانوں کے علمی کارناموں پر کچھ کم حیرت کا اظہار نہیں کیا ہے وہ اپنی مشہور و معروف کتاب "The Arabs" میں لکھتے ہیں:۔

Our Middle Ages rang with fame of the Arab sciences, an interesting thought when we remember that but a century or two earlier The Arabs had not yet emerged from an age-long desert obscurantism." (page 182)

قرونِ وسطیٰ کا زمانہ عربوں کے سائنسی علوم اور انکی شہرت سے گونج رہا تھا۔ انکی یہ علمی ترقی اس لحاظ سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہے کہ ایک یا دو صدی قبل تک ہی عرب زمانۂ دراز سے بادیہ نشینی کی گمنامی میں کھوئے ہوئے تھے۔"

دراصل عربوں میں یکایک بیداری کا پیدا ہونا اور پھر اُن کا علمی ترقی کے لحاظ سے باقی دُنیا پر سبقت لے جانا خود اِس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی تعلیم کے اثر سے ہی اُن کی کایا پلٹی تھی اور یہ قرآن ہی کا اعجاز تھا کہ جس نے ایک بادیہ نشین قوم کو دیکھتے ہی دیکھتے اصولِ جہانبانی پر حاوی کر دیا اور وہ علوم و فنون کے میدان میں بھی دُنیا کے پیشوا تسلیم کئے جانے لگے۔ چنانچہ مسٹر برٹرم تھامس نے اپنی اِسی کتاب میں آگے چل کر اِس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ان لوگوں میں علمی ذوق کیونکر پیدا ہوا اور یہ علمی ریسرچ کے میدان میں کس طرح اِس مقامِ بلند پر پہنچے کہ دُنیا انہیں اپنا پیشوا اور سردار تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔ انہوں نے اس کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر لکھا ہے کہ باہر کی دُنیا میں نکل کر عربوں نے دُنیوی علوم کا نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مطالعہ کیا۔ وہ تہیّہ کر چکے تھے کہ وہ علم ضرور حاصل کریں گے خواہ وہ انہیں کہیں بھی میسّر کیوں نہ آئے۔ ان کے اِس عزم کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

"Was there not warranty, indeed, in abundance in the Quran itself and in the Traditions which besought men to search for Knowledge? Why should there be

apprehension lest "foreign science" should upset Divine Truth — how could it? Rather the tokens and wonders of Creation would be all the more manifest, The Omnipotent proclaimed, the Faith vindicated."

(Page 184.)

ترجمہ :- بلاشبہ کیا خود قرآن اور احادیث میں کثرت کے ساتھ اس قسم کی ہدایت موجود نہ تھی کہ جس میں لوگوں پر زور دیا گیا تھا کہ وہ علم کی تلاش میں لگے رہیں ؟ تو پھر یہ خوف کیوں لاحق ہوتا کہ عجمی علوم آسمانی ہدایت میں رخنہ ڈالنے کا موجب ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا تھا ؟ بلکہ خدا نے تو یہ اعلان کیا تھا اور اسلام نے توجہ دلائی تھی کہ (فکر و تدبر اور وسعتِ علم کے نتیجے میں) تخلیقِ عالم کے عجائبات اور نشان اور بھی زیادہ منکشف ہوں گے "

مذکورہ بالا اقتباسات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ ہم ہی نہیں کہتے بلکہ خود مغربی مفکر اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے زمانۂ عروج میں علم و فضل کے جو دریا بہائے ان کا محرک قرآن ہی تھا۔ اگر یہ محرک موجود نہ ہوتا تو عرب کے بادیہ نشین جو زمانۂ دراز سے گمنامی میں کھوئے ہوئے تھے اس قدر قلیل عرصہ میں علمی ترقی کے لحاظ سے اس عروج کو نہ پہنچتے۔ پس حصولِ علم کے متعلق قرآن مجید کی بے مثل تعلیم اور اس پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے عمل اور اس عمل کے شاندار نتائج سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن تمام علوم کا منبع و مصدر ہے۔ اس نے اس بارے میں جو اصولی تعلیم دی ہے جو قوم بھی اس پر عمل کریگی وہ علمی ریسرچ کے میدان میں ضرور کامیاب ہوگی۔ البتہ اس نے علمی ریسرچ کی تمام تر بنیاد یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پر ہی نہیں رکھی ہے بلکہ اس نے اس کے ساتھ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ اور یہی قرآنی تعلیم کی وہ امتیازی خوبی ہے جو تمام دوسرے تہذیبی نظاموں سے اسے ممتاز کرتی ہے۔ اور یہی وہ حدِ فاصل ہے جس سے یورپ کی موجودہ مادی ترقی اور ماضی میں مسلمانوں کے علمی عروج کے درمیان بعد المشرقین کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اوّل الذکر کا انجام آج ہمارے سامنے فساد فی الارض کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے اور مؤخر الذکر اپنے وقت میں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا پر منتج ہو کر امن و سلامتی کی ضمانت دینے کا موجب بنا تھا ؛

گورو گرنتھ صاحب کا تعارف

(از جناب عباد اللہ صاحب گیانی)

دُنیا کی ہر قوم اپنی مذہبی کتاب کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ ایشوری گیان یا خدا تعالیٰ کے کلام پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کے کلام کے بارہ میں جہاں اور بہت سے معیار بیان کئے گئے ہیں وہاں ایک نمایاں فرق یہ بھی مذکور ہے کہ غیر اللہ کے کلام کے بارہ میں شدید اختلافات کا پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ:-

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔

یعنی اگر یہ قرآن کریم کسی غیر اللہ کا کلام ہوتا تو یہ ضروری تھا کہ اس میں شدید اختلافات پائے جاتے۔“

پس قرآن کریم کی اِس مقدس آیت کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا کلام اختلافات سے خالی نہیں ہو سکتا۔

سکھ قوم دنیا کی دوسری اقوام کی طرح اپنی مذہبی کتاب گورو گرنتھ صاحب کو ایک الہامی کتاب تسلیم کرتی ہے اور یہ یقین کرتی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے اس کلام پر مبنی ہے جو اس نے وقتاً فوقتاً سکھ گورو صاحبان اور بھگتوں کے ذریعہ نازل کیا تھا۔ لیکن جب ہم سکھ صاحبان کے اِس عقیدہ کو قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سکھوں کا یہ عقیدہ محض ایک خوش فہمی ہے، اصلیت سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ گورو گرنتھ صاحب ایک ایسی کتاب ہے جس کے بارہ میں خود سکھ وِدوانوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس وقت اس کے بہت سے ایسے قدیمی نسخے موجود ہیں جو آپس میں بہت مختلف ہیں اور زبانِ حال سے خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح کے اِس ارشاد کی تصدیق کر رہے ہیں کہ:-

گرنتھوں میں ہے شک کا احتمال
کہ انساں کے ہاتھوں سے ہیں دست مال
جو پیچھے سے لکھتے لکھاتے رہے
خدا جانے کیا کیا بناتے رہے
گماں ہے نقلوں میں ہے کچھ خطا
کہ انساں نہ ہووے خطا سے جُدا

(ست بچن صـ۳۵)

یعنی:-

”یہ گرنتھ جو خالصہ صاحبوں کے ہاتھ میں ہے باوا صاحب کی وفات سے بہت مدت بعد اکٹھا کیا گیا۔ اور روایتوں کا صحیح سلسلہ سکھوں کے ہاتھ میں نہیں ہے یہ معلوم نہیں کہ کہاں کہاں سے اور کس کس سے یہ شعر لئے گئے اور کیا کچھ کم کیا گیا یا بڑھایا گیا۔“

(تریاق القلوب صـ۱۰۶)

سرِدست ہم اپنے اِس مضمون میں سکھوں کے صرف

اُن اختلافات کا ذکر کریں گے جو اس کی پوزیشن وغیرہ کے بارہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور آئندہ آگے چل کر ہم گورو گرنتھ صاحب کے مختلف قدیمی نسخوں کے باہمی اختلافات پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

سکھ تاریخ اور سکھ مذہب کی جو افسوسناک حالت ہے وہ کسی بھی سکھ وِدوان سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سکھ مؤرخین اور مصنّفین کسی ایک بات میں بھی متفق نہیں ہیں اور ان پر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس قدر شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کہ ان کی مثال کا ملنا محال ہے۔ چنانچہ اِس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک سکھ وِدوان سردار شیر سنگھ جی ایم۔ ایس۔ سی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہماری تاریخ اور مذہب میں ایک نہیں ایک سَو ایک غلط فہمیاں موجود ہیں جو خود غرض لوگوں نے اپنی مطلب براری کی غرض سے پیدا کی ہوئی ہیں" (ترجمہ از رسالہ پھلواڑی کا اتہاس نمبر۔ جنوری ۱۹۳۰ء)

مشہور سکھ لیڈر جناب ماسٹر تارا سنگھ جی نے اِس بارہ میں یہ شہادت دی ہے کہ:۔

"تاریخ اور رہت ناموں میں تو متعدد غلطیاں اور سکھوں کی من گھڑت باتیں مذکور ہیں" (ترجمہ از گورمت پرکاش صفحہ)

ایک اور وِدوان سردار تیجا سنگھ جی ایم۔ اے (پرنسپل) نے اپنے ایک مضمون "بناوٹی اتہاس" میں بیان کیا ہے:۔

"یہ فن ہماری ہڈیوں میں اس قدر رچ گیا ہے کہ بڑے بڑے وِدوان اور دھرماتما کہلانے والے جو ویسے تو جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر مذہبی تاریخ کو بگاڑنے سے نہیں شرماتے ۔ ۔ ۔ ۔ کئی لوگ رہت ناموں اور دیگر مستند کتب میں جان بُوجھ کر ردّ و بدل کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو کتب ابھی تک قلمی چلی آرہی ہیں ان میں جس قدر بھی تبدیلیاں کردی جائیں وہ مستند تسلیم کر لی جائیں گی" (ترجمہ از رسالہ پھلواڑی دا اتہاس نمبر، جنوری ۱۹۳۰ء)

اس کے علاوہ ایک اور وِدوان کا بیان ہے:۔

"روزانہ کئی گھاڑتیں گھڑ کر سکھ تاریخ میں ناممکن اور ناخوشگوار تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ سکھ تاریخ کو من مانے سانچے میں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ڈھالا جا رہا ہے" (ترجمہ از گورو پدتی نے حصہ دوم صفحہ)

الغرض سکھ وِدوان وقتاً فوقتاً سکھ تاریخ کی اِس افسوسناک حالت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں اور اس حقیقت سے بھی کسی وِدوان کو اختلاف نہیں کہ سکھ گورو صاحبان اور خصوصاً جناب بابا نانک صاحب کا کلام ان تک اپنی اصلی حالت میں نہیں پہنچا۔ بلکہ اس میں بہت سا ردّ و بدل کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اِس بارہ میں ایک سکھ وِدوان سردار جی۔ بی سنگھ جی ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر جنرل کا بیان ہے:۔

"گورو نانک صاحب کے نام پر کلام بنانا تو سادھوؤں اور فقیروں نے ان کے زمانہ میں ہی شروع کر دیا تھا۔ اور گورو ارجن کے زمانہ تک پون صدی مزید اسی ٹھگی میں گذر چکی تھی۔ اگر گوشٹوں اور ساکھیوں وغیرہ سے پڑتال کی جائے تو یہ جعلی بانی تقریباً اتنی ہی بن چکی تھی جتنی کہ خود گورو نانک صاحب کی اپنی بانی تھی۔ اور یہ دونوں قسم کی بانیاں جعلی بھی اور اصلی بھی سکھوں میں ایک جیسی پھیلی ہوئی تھیں" (ترجمہ از پراچین بیڑاں صفحہ ۹)

ایک اور سکھ ودوان بھائی ویر سنگھ جی نے بیان کیا ہے :-

"گورو ارجن جی کے زمانہ تک متعدد شبد گورو نانک صاحب کے نام پر نئے بنا کر اور بہت سے ان کے شبدوں میں رد و بدل کر کے مشہور کرنا شروع کر دیا گیا تھا"

(ترجمہ از گورپرتاپ سورج گرنتھ جلد اول ص۱)

گورو ارجن جی کے گرنتھ کو مرتب کرنے کے بعد بھی اس تحریف کے سلسلہ میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ آج تک بدستور رد و بدل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اب تو سکھ ودوانوں میں ایک اور بھی چل رہی ہے کہ موجودہ مروجہ گرنتھ سرے سے ہی باطل ہے۔ یہ گورو ارجن صاحب کا تیار کردہ اور گوبند سنگھ جی کا تکمیل شدہ گرنتھ نہیں ہے بلکہ اسے گورو ارجن صاحب کے جانی دشمن ان کے سوتیلے بڑے بھائی نے خود بنایا تھا۔ اور گورو ارجن جی کے تیار کردہ گورو گرنتھ صاحب کو مفقود کر کے اس کی جگہ مشہور کیا تھا

گورو گرنتھ صاحب کی پوزیشن

کسی اور بات کو بیان کرنے سے قبل ہم یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ اپنے ناظرین پر گورو گرنتھ صاحب کی پوزیشن کے بارہ میں بھی سکھ ودوانوں کے حوالہ جات کی روشنی میں کچھ عرض کر دیں۔ چنانچہ ڈاکٹر چرن سنگھ جی تحریر فرماتے ہیں :-

"یہی گورو گرنتھ صاحب ہیں جو سکھ مذہب کی ایک مذہبی اور مستند کتاب ہیں" (ترجمہ از بانی بیورا ص۲)

سردار بہادر کاہن سنگھ جی نابھہ کا بیان ہے :-

"ہم صرف سری گورو گرنتھ صاحب کو جو خدائی تحریک بھی گورو صاحبان کی زبان کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ آخری مذہبی کتاب اور گورو صاحبان کو آخری اوتار یعنی پیغمبر تسلیم کرتے ہیں" (ترجمہ از گورمت سدھاکر ص۲۴)

لیکن اس کے برعکس گیانی شیر سنگھ جی نے ان لوگوں کو "جھوٹے" قرار دیا ہے جو سکھ گورو صاحبان کو اوتار تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا ارشاد ہے :-

"جھوٹے لوگ ہیں گورو صاحبان کو ہی دیوتاؤں یا اوتاروں کی جگہ مان کر خدا تعالیٰ اور اپنے درمیان ایک دیوار نہ کھڑی کر لیں"

(ترجمہ از "گورو گرنتھ تے پنتھ ص۱۲)

نیز گیانی گیان سنگھ جی نے جناب بابا نانک صاحب کے بارہ میں لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے خود کو برنگ یا اوتار ظاہر نہیں کیا اور نہ حکم دیا ہے کہ انہیں اوتار یا پیغمبر تسلیم کیا جائے"

(ترجمہ از تواریخ گورو خالصہ ص۲۴)

ان ہر دو حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سردار بہادر کاہن سنگھ جی کا سکھ گورو صاحبان کو اوتار یا پیغمبر قرار دینا خود سکھ ودوانوں کے نزدیک ان کی خوش فہمی ہے۔ سکھ گورو صاحبان کی اس قسم کی کوئی ہدایت موجود نہیں کہ انہیں اوتار یا پیغمبر سمجھا جائے۔

الغرض سکھ لوگ گورو گرنتھ صاحب کو اپنے مذہب کی مقدس اور مذہبی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور گورمت یعنی سکھ دھرم کے لئے اسے بنیادی کتاب یقین کرتے ہیں چنانچہ مشہور سکھ ودوان بھائی ویر سنگھ جی (ڈی لٹ) لکھتے ہیں کہ :-

"سکھ ایمان کی بنیاد الیشوری گیان

پر ہے۔ گو بندوں پر دس گورو صاحبان کو خدا کے ساتھ روحانی تعلق میں جو گیان خود بخود حاصل ہوا وہ اپنی ترملتا میں ان کے قلوب سے بانی اور احکامات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس پر سکھ ایمان کی بنیاد ہے"
(ترجمہ از گورپرتاپ سورج گرنتھ سمپادت ص۲۵)

اس کے علاوہ بھائی رندھیر سنگھ جی آف نارنگوال کا بیان ہے:۔
"کوئی شخص اس وقت تک سکھ بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ سری گورو گرنتھ صاحب کی سچی تعلیم کو اختیار نہ کرے۔ اور گورو گرنتھ صاحب کو سچی تعلیم کا بے قیمت اور بے شمار خوبیوں کا خزانہ تسلیم نہ کرے اور اس طرح یقین کرتا ہوا گورو گرنتھ صاحب کو سچا گورو نہ مان لے" (ترجمہ از "کی سری گورو گرنتھ صاحب دی گوجاہت پرستی ہے" ص۲۲)

نیز گیانی دت سنگھ صاحب نے گورو گرنتھ صاحب کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔
"ہم سب کا سچا بادشاہ گورو گرنتھ صاحب ہے۔ اسلئے جتنے مذہبی فیصلے ہیں وہ اس مہاراج ادھیراج کی اجازت سے ہوتے یا نہیں"
(ترجمہ از گورودت آرتی پربودھ ص۱۶)

سکھ دوست اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ گورو گرنتھ صاحب میں بابا نانک صاحب کا درج شدہ کلام ایک وقت عالم وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ بھائی پرتاپ سنگھ جی گیانی جتھیدار اکال تخت کا بیان ہے:۔
"سری گورو نانک دیو جی واہگورو میں لین ہو کر بانی اچارن کرتے رہے ہیں مگر ہر وقت بانی نہیں کہتے تھے۔ کسی وقت جب ان کی روح روحانی رس میں بھر کر خدا تعالیٰ سے تعلق کر لیتی تھی تو اس وقت آپ فرماتے بھائی مردانہ! بانی آئی ہے"
(ترجمہ از گورمت فلاسفی ص۱۳)

بھائی ویر سنگھ جی کا بیان ہے کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج شدہ تمام کی تمام بانی الہامی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:۔
"ستگورو جی نے بانی کو الہام یعنی خدا تعالےٰ کی طرف سے آئی ہوئی ظاہر کیا ہے"
(ترجمہ از گورپرتاپ سورج گرنتھ سمپادت ص۲۰۸۳)

اور خالصہ دھرم شاستر میں مرقوم ہے:۔
"گورو گرنتھ تمام پنتھ کے لئے خدا تعالےٰ سے ملنے کا راستہ بتانے کے لئے دس گورو صاحبان کی وصیت ہے۔ ہدایت کا حکم ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے گورو صاحبان کے ذریعہ سکھ پنتھ کے لئے الہام ہے"
(ترجمہ از خالصہ دھرم شاستر ص۱)

گیانی لال سنگھ جی رقم فرماتے ہیں:۔
"دس گورو صاحبان کا کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے اکاش بانی ہے"
(ترجمہ از سکھ قانون ص۳)

لیکن اس کے برعکس اکال تخت کے جتھیدار بھائی پرتاپ سنگھ جی کا بیان ہے:۔
"سری گورو گرنتھ صاحب آسمان سے آئی ہوئی آواز یا فرشتوں کے ذریعہ نازل شدہ بانی نہیں ہے" (ترجمہ از گورمت لیکچر ص۱۰۳)

گوردوارہ ٹربیونل کے ایک فاضل جج نے ایک مقدمہ کے فیصلہ میں گورو گرنتھ صاحب کے بارہ میں یہ لکھا ہے:۔

"گورو گرنتھ صاحب صرف سکھوں کی ہی
ملکیت نہیں گرنتھ صاحب میں صرف چھ گورو
صاحبان کا کلام ہے۔ باقی کلام ہندو اور
مسلمان فقیروں کا ہے۔ اس لئے یہ کتاب
ہندوؤں کو اتنی ہی پیاری ہے جتنی کہ سکھوں
کو۔" (ترجمہ از "اداسی سکھ نہیں" صٰ۳)

ہم سطور بالا میں سکھ وِدوانوں کے حوالہ جات پیش کر کے اس امر پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ سکھ وِدوانوں کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب کی پوزیشن بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ سکھوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو گورو گرنتھ صاحب کو گورو گوبند سنگھ کے بعد اپنا گیارھواں گورو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ:۔

دس اوتار گور ایک سم جیول جانے جو بیر
ایک دسا گورو گرنتھ جی بانی ستگور ہیر
(سو ساکھی۔ ساکھی ۸ٔ)

بھائی میوا سنگھ جی سابق ایڈیٹر خالصہ سماچار نے "ایک دسا" کے معنے گیارھواں کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو گورو وید ترنے ص۲۹)
بھائی صاحب سنگھ گیانی نے سو ساکھی کے مندرجہ بالا شلوک کو یوں نقل کیا ہے:۔

دس اوتار گور ایک سم لوجانو جو بیر
ایک دسموں گور گرنتھ جی بانی ستگور ہیر

ایک اور سکھ وِدوان بیان کرتے ہیں:۔

"دسم پاتشاہ نے جب عرش سے گور
اوتاروں کا آنا بند دیکھا تو آپ نے خدا تعالیٰ
کی اجازت سے گورو گرنتھ صاحب کو گوریائی
کی گدی دیدی۔" (ترجمہ از گورو وید ترنے ص۳۲)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اب آئندہ گورو صاحبان کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس لئے انہوں نے اپنے بعد گرنتھ کو گوریائی دیدی۔ مگر گیانی گیان سنگھ جی تحریر فرماتے ہیں کہ دس گورو صاحبان کے بعد گوروؤں کا ختم ہو جانا بی بی بھانی کے اس وَرْ کا نتیجہ تھا جو انہوں نے گورو امرداس جی سے مانگا تھا۔ (ملاحظہ ہو پنتھ پرکاش نواس ۱۲ ص۱۸ و تواریخ گورو خالصہ ص۱۲۲)

نیز سکھوں میں ایسے لوگ بھی بکثرت موجود ہیں جن کے نزدیک گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے بعد گورو گرنتھ صاحب کو گوریائی نہیں دی تھی۔ یہ عقیدہ بہت بعد میں بنایا گیا ہے۔ چنانچہ مشہور سکھ ودوان پرنسپل گنگا سنگھ جی نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ:۔

"گورو گوبند سنگھ جی نے کبھی بھی گرنتھ صاحب
کو گوریائی نہیں دی۔"
(ترجمہ از رسالہ امرت مارچ ۱۹۳۷ء)

نیز نامدھاری فرقہ کے مشہور ودوان سنت ندھان سنگھ جی عالم کا بیان ہے:۔

"یہ بات ڈنکے کی چوٹ سے جا سکتی ہے
کہ گورو گوبند سنگھ جی نے کسی بھی گرنتھ کو کبھی گدیائی
نہیں دی۔" (ترجمہ از گورو وید پرکاش ص۱۶)

ایک اور مقام پر سنت صاحب موصوف نے لکھا ہے:۔

"آپ نے (یعنی گورو گوبند سنگھ جی نے)
گرنتھ صاحب کو گورو مقرر کیا تھا اِس بات
کی منادی کرتا ہے کہ آپ نے گوریائی میں
بیان کردہ گورو کی تعریف کا رد کر کے اس
کے خلاف ایک نئی بات پیش کی۔"
(ترجمہ از گورو وید پرکاش ص۱۰)

اس کے علاوہ سنت اندر سنگھ جی چکرورتی نے گورو گرنتھ صاحب کی گوریائی کے بارہ میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ عقیدہ انگریزوں کا ایجاد کردہ ہے اور انہوں نے سکھوں کو دیا ہے (ملاحظہ ہو نامدھاری اتہاس حصہ اول ص۱۲)

نیز نامدھاری فرقہ کے مشہور و معروف اخبار ست جگ نے ایک مرتبہ گورو گرنتھ صاحب کی گوریائی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہاں تک لکھدیا تھا کہ:-

"کاغذ ہمیشہ ہی ناپاک ہے خواہ وہ سیالکوٹی ہو یا کشمیری - ولایتی ہو یا دیسی۔ کاغذی گورو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔" (ترجمہ از ست جگ ۱۰ بھادوں سمت ۱۹۸۸ بکرمی منقول از گورو پدیپ صفحہ ۱)

ایک اور سکھ وِدوان نے جو سکھوں کے مشہور فرقہ نرنکاری سے تعلق رکھتے ہیں گورو گرنتھ صاحب کی گوریائی کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:-

"ست جگ سے لے کر آج تک گرنتھ کو گورگدی نہ کسی اوتار نے نہ کسی پیغمبر نے دی ہے۔" (ترجمہ از نرنکاری دسویں تصنیف صفحہ ۵)

ان مندرجہ بالا حوالجات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گورو گرنتھ صاحب کی گوریائی بھی سکھوں کا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض سکھ وِدوان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ گرنتھ کو گوریائی گورو گوبند سنگھ جی نے دی تھی اور بعض کے نزدیک اسے گوبند سنگھ جی نے گوریائی نہیں دی تھی۔

گورو گرنتھ صاحب کا درجہ

گورو گرنتھ صاحب کے درجہ اور مرتبہ کے بارہ میں بھی سکھ وِدوانوں کے مختلف خیالات ہیں یعنی اس بارہ میں سکھوں کی ایک رائے نہیں۔

(۱) پہلا خیال

گورو گرنتھ صاحب خدا تعالیٰ کا اوتار ہے

بھائی سنتوکھ سنگھ جی بیان کرتے ہیں کہ گورو ارجن جی نے سکھوں کو یہ حکم دیا تھا کہ گورو گرنتھ صاحب کو خدا تعالیٰ کا اوتار تسلیم کیا جائے۔ جیسا کہ مرقوم ہے:-

سری گورو کہیو پر جہ دربار
گرنتھ پرمیشر کو اوتار
(گور پرتاپ سورج راس ۳ انسو ۵)

مشہور سکھ وِدوان بھائی رندھیر سنگھ جی بیان کرتے ہیں کہ:-

"خدا تعالیٰ گورو گرنتھ صاحب کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ گورو گرنتھ صاحب کی پوجا صرف خدا تعالیٰ کی پرستش (Worship) ہے۔" (ترجمہ از "کی گورو گرنتھ دی پوجا بُت پوجا ہے؟" صفحہ ۹۶)

ایک اور مقام پر بھائی صاحب موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ:-

"سری گورو گرنتھ صاحب میں اکال پورکھ مجموعی طور پر اپنی تمام صفات کے ساتھ حلول کر گیا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۴۹)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ سکھوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب خدا تعالیٰ کا اوتار بلکہ خود خدا تعالیٰ تھا۔ اور لامکان اور لا محدود ایشور گورو گرنتھ صاحب کے ۱۴۳۰ صفحات میں حلول کر گیا ہے۔ اور گورو گرنتھ صاحب کے بغیر اور کوئی خدا تعالیٰ نہیں ہے۔

(۲) دوسرا خیال

گورو گرنتھ صاحب گورو ارجن کا سروپ ہے

گورو گرنتھ صاحب کے متعلق دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ گورو ارجن جی کا سروپ ہے۔ اور اس خیال کے بانی مبانی گورو گوبند سنگھ جی ظاہر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ فرمان بیان کیا جاتا ہے:-

"سری گورو گرنتھ صاحب پانچویں اوتار
سری گورو ارجن صاحب کا سروپ ہیں۔"
(ترجمہ از سچے مُکت گرنتھ صفحہ ۱۷)

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ گورو گرنتھ صاحب گورو ارجن صاحب کا سروپ ہیں۔

(۳) تیسرا خیال

گورو گرنتھ گورو گوبند سنگھ جی کا سروپ ہے

سکھوں میں گورو گرنتھ صاحب سے متعلق تیسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ یہ گورو گوبند سنگھ جی کا سروپ ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس خیال کے پیش کرنے والے بھی گورو گوبند سنگھ جی ہی ظاہر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رہت نامہ بھائی نندلال میں آپ کا یہ فرمان درج ہے :-

دوسرا روپ گرنتھ جی جانو
اپنی انگ میرے کو مانو
روم روم اچھر جو لہو
جتھار تھ بات تم سو سب کہو
... ...
تیسرا روپ گرنتھ جی جانو
ان میں بھید نہ رنچ پچھانو
(رہت نامہ بھائی نندلال)

یعنی گورو گرنتھ صاحب میرا روپ ہے اس میں کسی قسم کا بھی شک نہ کیا جائے۔

ایک اور صاحب بھائی اوتار سنگھ جی جتھیدار "چلدا دہیر" بیان کرتے ہیں کہ :-

"گورو گوبند سنگھ جی نے گورو گرنتھ صاحب کو اپنا سروپ قرار دیکر گیارھویں جگہ مقرر کیا اور خالصہ جی کو حکم دیا کہ گورو گرنتھ صاحب کو گورو تسلیم کریں۔ یہ گورو گرنتھ صاحب میرا جسم اور میرا سروپ ہے۔"
(ترجمہ از خالصہ سماچار ۲۳ صفحہ ۱)

اِن مندرجہ بالا حوالجات میں گورو گرنتھ صاحب کو گوبند سنگھ جی کا سروپ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) چوتھا خیال

گورو گرنتھ صاحب دس گورو صاحبان کا سروپ ہے

گوربلاس پاتشاہی چھٹی میں مرقوم ہے کہ گورو گرنتھ صاحب دس گورو صاحبان کا سروپ ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

گورو گرنتھ کلیگ بھیو سری گورو روپ میان
دس پاتشاہیاں روپ ایہہ گورو گرنتھ جی جان
(گوربلاس پاتشاہی چھٹی ادھیائے ۹)

یعنی گورو گرنتھ صاحب دس پاتشاہیوں کا سروپ ہے۔

گیانی سردول سنگھ جی نے اِس سلسلہ میں یہ بیان کیا ہے :-

"گورو گوبند سنگھ جی نے ......
... سنگت کو گرنتھ صاحب کے تابع کیا۔
اور دس گورو صاحبان کا سروپ کہکر روزانہ اس کے درشن اور پاٹھ کرنے کی تلقین کی۔"
(ترجمہ از ۵۲ لیکچر صفحہ ۲)

خالصہ رہت پرکاش میں مرقوم ہے :-

"خالصہ جی کے گورو سری گورو نانک دیو سے لیکر گورو گوبند سنگھ جی اور دس گورو وں کے سروپ گورو گرنتھ صاحب ہیں۔"
(ترجمہ از خالصہ رہت پرکاش صفحہ ۱۰۸)

اِس کے علاوہ سکھ لوگ روزانہ ارداس میں بھی پڑھتے ہیں کہ :-

"دساں پاتشاہیاں دی جوت سری گورو گرنتھ صاحب جی دے پاٹھ دیدار دا دھیان کرکے بولو جی واہگورو۔" (سکھ رہت مریادہ صفحہ ۲)

اِن مندرجہ بالا حوالجات کا خلاصہ یہ ہے کہ گورو گرنتھ صاحب دس گورو صاحبان کا سروپ ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس خیال کے موجد بھی گورو گوبند سنگھ جی ہی بیان کئے جاتے ہیں۔

پانچواں خیال

سکھوں میں گورو گرنتھ صاحب کے بارہ میں اکثر خیال یہ بھی ہے کہ یہ دس گوروؤں اور سنتوں بھگتوں کا سروپ ہے چنانچہ بھائی اوتار سنگھ جی لکھتے ہیں:۔

"گورو یائی کی گدی کے درجہ کا تخت جو دو اور چھتر والا گیارھواں گورو ایک ہیں۔ دو نہیں۔ چار نہیں۔ دس گوروؤں کا ظاہرہ سروپ اور سنتوں اور بھگتوں کے دو جہان کا خالصہ جی کا دھارمک شہنشاہ دونوں جہانوں کے کام سنوارنے والا ظاہر ہے۔"

(ترجمہ از خالصہ سدھار تروت ۳ صہ ۱۲)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ گورو گرنتھ صاحب دس گورو صاحبان اور سنتوں بھگتوں کا سروپ ہے۔ نیز سکھوں کا دو جہان کا مذہبی شہنشاہ ہے۔

الغرض سکھ مذہب کی مستند مذہبی کتاب گورو گرنتھ صاحب کی ایک ایسی کتاب ہے جس کی پوزیشن کے بارہ میں سکھ ودوانوں کی ایک رائے نہیں بلکہ اُن کے مختلف خیالات ہیں۔ کسی کا یہ خیال ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا اوتار ہے۔ کوئی اسے گورو ارجن کا سروپ بیان کر رہا ہے۔ کسی کے نزدیک یہ گورو گوبند سنگھ جی کا بروز ہے۔ کسی کے بیان کے مطابق یہ دس گورو صاحبان کا اوتار ہے۔ اسی طرح کوئی یہ خیال کر رہا ہے کہ اسے گورو ارجن جی نے گورو مقرر کیا تھا۔ اور کسی کے خیال کے مطابق اسے گورو گوبند سنگھ جی نے گورو یائی دی تھی۔ اور کسی کا بیان ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی نے کبھی بھی گورو گرنتھ صاحب کو گورو یائی نہیں دی تھی۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ جی نے گورو گرنتھ صاحب کو گورو مقرر کیا تھا وہ اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گورو گوبند سنگھ جی نے گورو گرنتھ صاحب کو گورو مقرر کیا تھا تو پھر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے قبل گرنتھ غیر گورو تھا۔ اور یہ بات سکھ عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ گرنتھ کو گورو ماننے والے یہ بھی مانتے ہیں کہ گرنتھ اور گورو بانی شروع سے ہی گورو ہے۔ جب یہ درست ہے کہ گرنتھ شروع سے ہی گورو ہے تو پھر یہ کیونکر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ سمت ۱۷۶۵ بکرمی میں گورو گوبند سنگھ جی نے گرنتھ کو گورو مقرر کیا تھا؟ کیونکہ اگر یہ ٹھیک ہے کہ گرنتھ کی گورو یائی کا زمانہ سمت ۱۷۶۵ بکرمی سے شروع ہوتا ہے تو پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم آئے گا کہ سمت ۱۷۶۴ بکرمی میں گرنتھ گورو نہیں تھا۔ اور اس سے قبل بھی اسے گورو یائی سے محروم تسلیم کرنا پڑے گا۔ پھر اس کی وہی پوزیشن ہوگی جو گورو انگد، گورو امر داس وغیرہ گورو صاحبان کی گورو مقرر ہونے سے قبل تھی۔

یہی وجہ ہے کہ سکھوں کا سمجھدار اور اہل علم طبقہ خصوصیت نامدھاری اور نرنکاری فرقوں سے تعلق رکھنے والے ودوانوں کے علاوہ جو کہ گورو گرنتھ صاحب کی گورو یائی کے قائل نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک گورو ہمیشہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔ کسی کتاب کو گورو یائی کا حق نہیں مل سکتا۔ خود گورو گرنتھ صاحب کو گورو تسلیم کرنے والے بھی شامل ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گورو گوبند سنگھ جی نے کبھی بھی گرنتھ کو گورو یائی نہیں دی اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔

(باقی)

قرآنی تعلیم کا مختصر خاکہ

(جناب چودھری احمد اللہ صاحب پلیڈر۔ گجرات)

دانشمندی اور حکمت یہ ہے:۔

(ا) خدا کے بغیر کسی کو معبود نہ بناؤ۔

(ب) والدین پر احسان کرو۔

(ج) اقرباء مساکین اور مسافروں پر اپنا مال خرچ کرو۔
مگر حد سے زیادہ خرچ نہ کرو بلکہ میانہ روی اختیار کرو۔

(د) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

(ہ) زنا کے نزدیک نہ جاؤ۔

(و) کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔

(ز) قصاص لیتے وقت حد سے نہ گزر جاؤ۔

(ح) نابالغ کے مال میں تصرفِ بے جا نہ کرو۔

(ط) اپنے عہد کو پورا کرو۔

(ک) ماپو تو پورا ماپو۔ تولو تو پورا تولو۔

(ل) جس چیز کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگو۔

(م) زمین پر تکبر سے اکڑ کر نہ چلو (۱۷/۲۳ تا ۴۲)

متقی کون ہیں

جو خدا، روزِ آخرت، فرشتوں، خدائی نوشتوں اور نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اپنے اقرباء، یتامیٰ، مساکین، مسافروں، مانگنے والوں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ جب عہد کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ مصائب و آلام اور خطرات کے وقت صبر اور تحمل سے کام لیتے ہیں۔ (۲/۱۷۷)

خدا کے پرستار کون ہیں؟

جو خدا کی زمین پر صلح کاری سے چلتے ہیں اور فساد سے باز رہتے ہیں۔ اگر ان سے بیوقوف جاہل مخاطب ہوں تو ایسی بات کہتے ہیں جو سراپا سلامتی ہو۔ راتوں کو خدا کی بارگاہ میں سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب ہم کو عذابِ جہنم سے بچا۔ نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوس بنتے ہیں۔ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زناکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اگر ان کو لغویات کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ اگر خدا کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جائیں تو ان پر غور کرتے ہیں اور بہروں اور اندھوں کی طرح ان پر نہیں گرتے۔ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو ایسی عورتیں اور اولاد عطا کر جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور تقویٰ شعار ہوں اور ہم اُن کے امام ہوں۔ (۲۵/۶۳ تا ۷۷)

دشمن کے شر کو اچھے سلوک سے دفع کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہارا ہمدرد اور گہرا دوست بن جائے گا۔ (۴۱/۳۴)

ظاہری اور باطنی گناہوں سے مجتنب رہو۔ (۶/۱۲۰)

بدظنی سے باز رہو تجسس نہ کیا کرو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ (۴۹/۱۲)

ماہِ رمضان کے روزے رکھو مگر بیماری اور مسافرت
کی حالت میں روزہ نہ رکھو۔ اُن دنوں کی تعداد دوسرے دنوں
میں روزے رکھ کر پوری کرو۔ اگر کوئی شخص بوجہ ضعف اور
پیری کے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ایک مسکین
کے کھانے کا فدیہ دے۔ (۲/۱۸۰)

جس کو حج کعبہ کی استطاعت ہو وہ حج کرے۔ (۳/۹۱)

اگر چاہتے ہو کہ تم کو خیر کثیر (مال و دولت اور طاقت)
حاصل ہو تو علم و حکمت کے اکتساب میں کوشش کرو۔ (۲/۲۷۲)

اگر چاہتے ہو کہ خدا تک پہنچنے کے ذرائع تم کو مل جائیں
تو اس کی معرفتِ حقّہ کے حصول کے لئے جہاد یعنی تا بہ امکان
کوشش کرو۔ (۲۹/۶۹)

اگر چاہتے ہو کہ خدا کے مقدس نوشتہ قرآن مجید کے
حقائق و معارف تم پر منکشف ہوں تو غیب پر ایمان لاؤ۔
نماز کو قائم کرو۔ اور اپنے مال اور قویٰ کو خرچ کرو۔ (۲/۲)

یاد رکھو کہ بغیر کوشش اور جدوجہد کے کچھ حاصل نہیں
ہوتا۔ (۵۳/۴۰)

جو چیز تمہارے پاس امانت ہو وہ واپس کر دو اور امانت
میں خیانت نہ کرو۔ (۲/۲۸۳)

تبلیغ اور دعوت الی الاسلام میں حکمت اور دانشمندی
کو کام میں لاؤ۔ (۱۶/۱۲۶)

خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اس کے اور
اپنے والدین کے شکر گزار رہو۔ لیکن اگر والدین تم کو شرک
پر آمادہ کریں تو اُن کا کہا نہ مانو۔ اور پسندیدہ طریق اور
دستور کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرو۔ نیکی کا حکم دو۔
اور بدی سے منع کرو۔ مصائب میں صبر کرو۔ ایسے شخص کی پیروی
کرو جو خدا کی طرف رجوع کرے۔ لوگوں سے ترش روئی سے
پیش نہ آؤ۔ زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو۔ چلنے میں میانہ روی
اختیار کرو۔ اور بولتے وقت اپنی آواز دھیمی رکھو (۳۱/۱۲ تا ۱۸)

شہادت کو مت چھپاؤ۔ (۲/۲۸۴)

اللہ کے لئے سچی اور منصفانہ شہادت پر قائم رہو اگرچہ
وہ شہادت تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور اقرباء
کے خلاف ہو۔ (۴/۱۳۶)

خدا تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اپنے حکام کی اطاعت
کرو۔ (۴/۶۰)

جو زانی ہو وہ سوائے زانیہ اور مشرکہ عورت کے
اور کسی عورت سے نکاح نہ کرے اور زانیہ عورت سے سوائے
زانی اور مشرک کے کوئی مسلمان مرد نکاح نہ کرے مسلمانوں
پر ایسی عورتوں سے نکاح حرام کیا گیا ہے۔ (۲۴/۴)

زانی اور زانیہ دونوں کو زنا کے ثابت ہونے پر
مسلمانوں کے مجمع کے سامنے سو سو تازیانوں کی سزا دو (۲۴/۳)

نہ مرد مردوں سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے
تمسخر کریں اور نہ کسی کے نام بگاڑیں اور نہ ایک دوسرے کو
بُرے القاب دیں۔ (۴۹/۱۱)

بُرائی کی سزا ویسی ہی بُرائی ہے لیکن جو معاف کرتا
اور اصلاح کی صورت پیدا کرتا ہے وہ اجرِ خداوندی کا
مستحق ہوتا ہے۔ (۴۲/۴۱)

جوا اور منشّیات سے پرہیز کرو۔ ان دونوں بُرائیوں
سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے امن برباد ہوتا ہے۔
(۲/۲۱۹ و ۵/۹۳)

کھاؤ پیو۔ لیکن حدِ اعتدال سے نہ بڑھو۔ اور نہ
فضول خرچی کرو۔ (۷/۲۹)

متقی وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے اور لوگوں کو معاف
کرتے ہیں۔ (۳/۱۲۸)

اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ رہے ہوں تو
اُن کے مابین صلح کرا دو۔ اور اگر ان میں سے ایک فریق
دوسرے فریق پر تعدی کرے تو تعدی کرنے والے فریق
کے ساتھ لڑائی کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف
رجوع کرے اور جب وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان

عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرادو۔ (۴۹/۹)

لڑائی اور تنازعہ میں فریقِ مخالف صلح پر آمادہ ہو تو صلح کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ صلح میں بہتری اور امن ہوتا ہے۔ (۸/۶۲ و ۴/۱۲۸)

جو لڑائی نہ کریں اُن کے ساتھ جارحانہ لڑائی نہ کرو (۲/۱۸۶)

کسی قوم کی دشمنی تم کو اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو کیونکہ انصاف تقوے اور پرہیزگاری کے بہت قریب ہے۔ (۵/۱۱)

اگر تم کو حاکم یا ثالث بنایا جائے تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔ (۴/۶۱)

تم پر مُردار، گوشت خنزیر، خون، وہ چیز جس کو خدا کے بغیر کسی اَور کا نام لیکر ذبح کیا جائے، گلا گھونٹ کر مارا ہوا، چوٹ سے مارا ہوا، اُوپر سے گر کر مرا ہوا، کسی جانور کا سینگ لگنے سے مرا ہوا جانور اور وہ جانور جس کو درندہ نے کھایا ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔ جو جانور بتوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جو فال کے تیروں سے تقسیم میں آیا ہو وہ بھی تم پر حرام ہے۔ (۵/۴)

تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانور کسی جانور کا شکار کر کے اس کو پکڑ رکھیں تو اس پر خدا کا نام لو۔ تب وہ جانور تم پر حلال ہو جائے گا۔ (۵/۵)

اہل کتاب کی پاکدامن غیر منکوحہ عورتیں جبکہ تم انکو نکاح میں لاؤ اور اُن کے مقرر شدہ مہر ادا کرو تم پر حلال ہیں (۵/۶)

مقتولوں کا قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے عوض آزاد، غلام کے عوض غلام مارا جائے۔ اور عورت کے عوض عورت ماری جائے۔ اگر وارثانِ مقتول قاتل کے قصاص سے درگذر کریں تو دستور کے مطابق معاملہ کو طے کرنا چاہیئے۔ اور بطریق احسن ورثاءِ مقتول کو (دیت) خون بہا دینا چاہیئے۔ دانشمند یہ خیال نہ کریں کہ قصاص سے ایک اَور جان ضائع ہوگی۔ قصاص سے آئندہ عبرت ہوگی اور زندگی قائم ہوگی۔ (۲/۱۷۵)

دُعا اور صبر سے مدد لو۔ (۲/۴۶)

خودکشی سے باز رہو۔ (۴/۳۰)

ناجائز طریق سے کما کر مال مت کھاؤ۔ اور حکام کو رشوت مت دو۔ تاکہ لوگوں کو مالی نقصان پہنچاؤ۔ (۲/۱۸۹)

خواہش (حیا سوز افعال) کے نزدیک نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا باطن۔ (۶/۱۵۲)

کسی کو مالدار دیکھ کر اس کے مال کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ مرد اور عورتیں جو کچھ کمائیں اس سے مستفید ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ خدا سے اُس کے فضل کی درخواست کرو۔ (۴/۳۳)

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کو قطع الید کی سزا دو کہ وہ پھر چوری نہ کریں اور دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ (۵/۳۹)

بدمعاشوں اور شریر النفس لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ (۲۴/۲۱)

دولت مند، خوشحال اور صاحبِ ثروت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے اقربا، مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے۔ (۲۴/۲۲)

کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔ اگر گھر والے تم کو لَوٹ جانے کو کہیں تو واپس چلے جاؤ۔ (۲۴/۲۸)

مومن مرد کسی عورت کو بہ نظر بد نہ دیکھیں اور نظر نیچی رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اسی طرح مومنہ عورتیں کسی مرد کو بہ نظر بد نہ دیکھیں اور اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (۲۴/۳۱)

تم پر تمہاری مائیں، دختران، بہنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، خالائیں، پھوپھیاں، وہ مائیں جن کا تم نے دُودھ پیا ہو، دُودھ بہنیں، تمہاری عورتوں کی مائیں، دوسرے مرد سے تمہاری مدخولہ عورتوں کی دختران جنہوں نے تمہاری گودیں

پرورش پائی ہو۔ اور تمہارے پسران صلبی کی عورتیں حرام کی گئی ہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ تم منکوحہ زندہ عورت کی زندگی میں اس کی بہن سے نکاح کرو۔ (۴/۲۳)

راستبازوں کی صحبت میں رہو۔ (۹/۱۲۰)

اگر میاں بیوی کے مابین ایسا تنازعہ پیدا ہو کہ جس سے قطع تعلق کا خطرہ پیدا ہو تو فیصلہ کے لئے دو ثالث ایک مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر میاں بیوی کی مرضی اصلاح کی ہوگی تو اس طریقہ سے خدا ان میں موافقت کی صورت پیدا کر دیگا۔ (۴/۳۵)

اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا نہ کرو (۷/۵۶ و ۲۶/۱۸۳)

دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر روا نہیں ہے جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے۔ (۲/۲۵۶ و ۱۸/۲۸)

عورتوں سے دستور کے مطابق نیک سلوک کرو۔ بداخلاقی سے باز رہو۔ (۴/۲۳)

اچھی اور نیک کردار عورتیں وہی ہیں جو اپنے خاوندوں کی فرمانبردار اور ان کی غیر حاضری میں ان کی عزت و ناموس اور جائداد کی محافظ ہوں۔ خدا ایسی عورتوں کا محافظ ہوتا ہے۔ (۴/۳۴)

سود نہ کھاؤ کہ خدا نے اس کو حرام کیا ہے۔ (۲/۲۷۶)

بغاوت سے باز رہو کہ خدا نے اس سے منع کیا ہے (۱۶/۹۲)

خدا فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کرونگا لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ بندے خدا پر ایمان لائیں اور اس کا حکم مانیں۔ کیونکہ اگر بندے فرمانبردار نہ ہوں تو خدا ان کا محکوم نہیں ہے کہ ان کی بات مانے۔ (۲/۱۸۶ و ۴۰/۶۲)

(انسان کے تحصیل علم کے بارے میں اسلامی ہدایات بقیہ صفحہ ۵۰)

زوروں پر ہے اور اہم نتائج کا حامل ہے۔

بہترین مذہب، بہترین جمہوریت اور بہترین سماج انسان کو علم کی تلاش اور اسکے استعمال کا پورا پورا حق دیتے ہیں اور واقعی ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ اگر علم کو محدود نہ کیا جائے بلکہ عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ حق و باطل میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

برخلاف اسکے اگر علم پر پابندیاں لگادی جائیں تو ظاہر ہے کہ لوگوں کا علم بھی محدود ہو جائیگا۔ ایسا علم ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے تاریخ میں اکثر ذکر آتا ہے کہ علم کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات پیدا ہوئے ہیں اسلئے علم کے صرف بعض پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور اس کی عام اشاعت نہ کرنا دنیا کی آزاد خیال اور آزادی پسند اقوام کے لئے ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر تعلیم کی کمی کا مسئلہ ہے۔ ایشیا کے کروڑہا باشندوں کی جہالت اور غربت آزاد دنیا کے آسودہ حال لوگوں کی طرف آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔ یہ کروڑوں بھوکے وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد بڑی تہذیب کے مالک تھے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب ایشیا ہی سے نکلے ہیں اور یونانیوں سے پہلے ایشیائی لوگ فلسفہ کے بڑے بڑے استاد ہو گزرے ہیں یہاں تک کہ یونانی اور رومی سلطنتوں کے زوال کے بعد بھی چینی، جاپانی، عرب اور مغلیہ سلطنتیں علم کی ترقی اور اشاعت میں اہم پارٹ ادا کرتی رہی ہیں۔ قرطبہ کی لائبریریاں، ابن رشد اور ابن عربی کا فلسفہ، قرون وسطیٰ کی اسلامی عمارات، آگرے کا تاج محل، فردوسی کی داستان اور قبلائی خاں کے دربار کی عظمت و رفعت ان قوموں کی ترقی کی عظیم الشان یادگاریں ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ آج جمہوریت کی بنیاد انتخاب کنندگان کی علمی قابلیت پر رکھی گئی ہے۔ پچھلے تین سو سال سے ایشیائیوں کو مغربی اقوام سے یا تو حاکم و محکوم کی حیثیت سے یا تاجرانہ رنگ میں واسطہ پڑتا رہا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ موجودہ جمہوریت کے خیال سے روشناس ہوئے ہیں۔ ایشیائیوں پر جمہوریت کے فوائد اسلئے بھی جلد واضح ہو گئے کہ انکے بہت سے مذاہب جمہوری طرز زندگی کے مؤید ہیں اسلئے انہوں نے اس طرز حکومت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ مثلاً مذہب اسلام انسانوں میں تفریق کا قائل نہیں نسل انسانی جو قبائل اور اقوام میں منقسم نظر آتی ہے صرف اسلئے ہے کہ قوموں میں ارتباط بڑھے اور پیدائش انسانی کی غایت آسانی اور جلدی سے پوری ہو سکے۔ خدا تعالیٰ کی نظروں میں شریف وہی ہے جو صاف گو اور انصاف پسند ہے۔ دراصل شرافت کا معیار یہی ہے اور یہی خیال موجودہ جمہوریت کے خیال کے عین مطابق ہے ۔

آیاتِ قرآنی کے متعلق سوالات کے جوابات

(بجناب قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نائب ایڈیٹر الفرقان)

(۱)

اپنے زمانہ میں العلامہ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار دو سو سے کچھ زیادہ اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جو قرآن کریم پر علمی رنگ میں پیش کئے گئے تھے۔ یہ جوابات عربی زبان میں شائع ہو چکے ہوئے ہیں۔ افادۂ عام کے لئے میں ان سوالات اور جوابات کے مفہوم کو اردو زبان میں بعض زوائد کے ساتھ الفرقان میں پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ سوالات اور جوابات کا یہ سلسلہ علم دوست طبقہ کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

(سُوْرَۃُ فَاتِحَہ)

سوال ۱۔ زجاج نحوی کے نزدیک رحمت کی صفت کے بیان میں الرّحمٰن کا لفظ الرّحیم کے مقابلہ میں ابلغ ہے۔ یعنی اپنے اثر کے لحاظ سے زیادہ وسیع ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت الحمد للہ ربّ العٰلمین الرحمٰن الرّحیم میں عربی کی عادت اور طریق کے خلاف الرّحمٰن کو الرّحیم سے کیوں مقدم کیا ہے؟ عرب کا طریق صفاتِ مدح کے بیان میں یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جائے۔ مثلاً وہ کہیں گے فلانٌ عالمٌ نحریرٌ۔ اور یہ نہیں کہیں گے کہ فلانٌ نحریرٌ عالمٌ۔ کیونکہ اعلیٰ صفت کا ذکر کر کے پھر اس سے کم درجہ کی صفت کا ذکر کرنا معنوں میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کرتا۔ اور کلام کی بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ لفظ کی زیادتی معنوں میں زیادتی کا فائدہ دے۔

جواب۔ جوہری وغیرہ نے تو کہا ہے کہ الرّحمٰن اور الرّحیم کی صفات ایک ہی معنی رکھتی ہیں اسلئے ان کے نزدیک تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ان دونوں صفتوں میں زجاج کے قول کے مطابق معناً فرق ماننے کی صورت میں الرحمٰن کو الرحیم سے مقدم لانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کا خاص نام ہے جو اس کے غیر کو نہیں دیا جاتا۔ نہ مفرد صورت میں، نہ مضاف کر کے۔ اسلئے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ اور رحیم کی صفت ایسی ہے جو خدا کے غیر کیلئے مفرد صورت میں بھی استعمال ہو سکتی ہے اور اضافت کی صورت میں بھی اسلئے اسکو پیچھے ذکر کیا۔ اور رحمٰن کی صفت ایسی ہے جو خدا تعالیٰ کے غیر کے لئے مفرد استعمال نہیں ہو سکتی صرف مضاف ہو کر استعمال ہو سکتی ہے۔ اسلئے وہ ان دونو ناموں کے درمیان رکھے جانے کی مستحق تھی اسلئے اسے درمیان میں رکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان صفات کی ترتیب میں ارتقائی پہلو کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا بلکہ ان صفات کے ظہور کے زمانہ کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ زمانہ کے لحاظ

سے رب العالمین کا ذکر پہلے رکھا ہے۔ کیونکہ اس صفت کا ظہور تمام جہانوں سے تعلق رکھتا ہے پس یہ صفت تخلیقِ آدم اور تخلیقِ حیوانات سے پہلے بھی کام کرتی رہی۔ رحمانیت کی صفت کا اثر زمانہ کے لحاظ سے اُس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ حیوان اور انسان پیدا ہوگئے۔ اور رحیمیت کا اثر انسان کی اچھی عملی زندگی کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے ترتیب میں عربوں کے عام قاعدہ کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ قرآن کریم میں ترتیب کہیں زمانہ کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، کہیں اہمیت کے لحاظ سے اور کہیں بعض اور وجوہ سے۔

سوال ۲۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں عبادت کو استعانت پر کیوں مقدم رکھا گیا ہے حالانکہ استعانت (یعنی مدد مانگنا) مقدم ہے۔ عبادت کی توفیق بھی مدد الٰہی سے ملتی ہے ؟

جواب۔ اِس جگہ عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے جو استعانت اور تمام عبادات پر مقدم ہے کیونکہ جو شخص موحّد نہ ہو وہ دوسری عبادتوں کے لئے خدا سے مدد کا طالب نہیں ہوگا۔ توحید کا اقرار کرنے کے بعد وہ خدا تعالیٰ سے استعانت کریگا۔

سوال ۳۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا میں صراطِ مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا طریقِ جنت ہے اور مومن اس پہ پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں تو پھر ہدایت مانگنے کا کیا مطلب ؟ کیا یہ تحصیلِ حاصل نہیں ؟

جواب۔ اِس جگہ ہدایت سے مراد یا تو صراطِ مستقیم پہ ثابت قدمی اور دوام طلب کرتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں قِفْ حَتّٰی اٰتِیَکَ کہ تو کھڑا ہو جا یہاں تک کہ میں تیرے پاس آؤں۔ اور مراد یہ ہوتی ہے۔ دُمْ عَلٰی وُقُوفِکَ وَثَبِّتْ علیہ کہ تو کھڑا رہ۔ اِس صورت میں آیت کے یہ معنے ہوں گے کہ ہمیں صراطِ مستقیم پہ قائم رکھ یا چلا۔ یا پھر اِس جگہ ہدایت کے معنے ہدایت میں زیادتی طلب کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی۔ اللہ تعالےٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت میں بڑھاتا ہے۔ نیز فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی کہ جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے خدا تعالیٰ نے اُن کو ہدایت میں بڑھایا ہے۔

سوال ۴۔ آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ میں الضالین پر لا بڑھانے کا کیا فائدہ ہے جب کہ المغضوب علیہم پر غیر کا لفظ نفی کے معنوں کے لئے کافی ہے کیونکہ ضالین کا عطف المغضوب علیہم پر ہے ؟

جواب۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس نفی کی تاکید کی جائے جس نفی پر غیر کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔

(سُوْرَۃ بَقَرَۃ)

سوال ۵۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ کے الفاظ بطور استغراق کیوں استعمال کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس سے ریب یعنی شک کی کلیۃً نفی ہوتی ہے حالانکہ بہت سے گمراہ اور شک کرنے والے موجود ہیں اور قرآن کریم خود ان کے موجود ہونے کا معترف ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کہ اگر تم

اِس چیز کے بارہ میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری تو اس کی مثل ایک سورۃ بنا لاؤ؟

جواب۔ لا ریب فیہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن شریف محلِ شک میں ہے۔ یعنی یہ ایسی کتاب نہیں کہ اس میں کوئی شک کیا جائے۔ یا پھر اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس میں کوئی ریب نہیں اور اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے نزدیک اس میں کوئی ریب نہیں۔ ایک توجیہ اس کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مراد اِس جگہ نفی سے نہی ہے۔ یعنی لَا تَرْتَابُوْا فِيْهِ اِنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ تم لوگ اس کے منجانب اللہ ہونے کے بارہ میں شک نہ کرو۔ اس کا نظیر قرآن کریم میں یہ آیت ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا اَیْ لا ترتابوا فیھا۔ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں یعنی اس میں تم کوئی شک نہ کرو۔

سوال ۶۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کیوں کہا جب کہ متقین پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں۔ کیا یہ تحصیلِ حاصل نہیں؟

جواب۔ وہ لوگ متقی تو قرآن کریم سے استفادہ کے بعد ہی بنے ہیں اور یہی بیان کرنا اس جگہ مقصود ہے کہ جو متقی ہیں انہوں نے قرآن کریم کے ذریعہ ہدایت پائی۔ یا یہ معنے ہیں کہ متقین کو ہدایت پر ثبات حاصل ہوگا یا زیادتی حاصل ہوتی رہیگی حسب آیت والّذین اھتدوا زادھم ھدًی۔

ایک توجیہ اس کی یہ بھی ہے کہ متقین کیلئے قرآن مجید کے ہدایت ہونے کا ذکر خصوصیت سے اسلئے کیا گیا کہ وہی لوگ اس کا حقیقی فائدہ اٹھانے والے ہیں جنہوں نے اسے قبول کیا اور اس کی اتباع کی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا۔

اِس آیت کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مراد تو دونوں فریق ہیں متقی بھی اور غیر متقی بھی اور ان دونوں کے لئے قرآن مجید ہدایت ہے۔ مگر یہاں صرف متقین کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسا کہ آیت سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ میں صرف حَرّ کا بیان ہوا ہے۔ حالانکہ کپڑے سردی سے بھی بچاتے ہیں۔

سوال ۷۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ میں جس مخادعت کا ذکر ہے وہ اُسی شخص کے حق میں متصور ہوسکتی ہے جس پر امور مخفی ہوں۔ یقال خدعہٗ اذا اراد بہٖ المکروہ حیث لا یعلم۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ پس اللہ سے مخادعت کیسے کرسکتے ہیں وہ تو کسی کے دھوکے میں نہیں آسکتا؟

جواب۔ اس کے معنے ہیں یخادعون رسول اللہ حسب قول اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ نیز فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ ان کے رسول کو دھوکہ دینے کے فعل کو اللہ کو دھوکہ دینا قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ یا پھر انکے نفاق کو خداع قرار دیا ہے کیونکہ وہ دھوکہ دینے کے فعل کے مشابہ ہے۔ یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ مخادعت سے مراد اس جگہ ارادہ خداع ہے نہ کہ خداع میں کامیاب ہونا۔ کبھی ایک فعل بول کر اس سے مراد صرف اس فعل کا ارادہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیہ۔ کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہرے دھوؤ۔ مراد اس جگہ قیام

مسلم سن رائز امریکہ سے ترجمہ -
مترجم چودھری علی محمد صاحب بی - اے بی ٹی

انسان کے تحصیلِ علم کے بارے میں اسلامی ہدایات

(ذیل کا مختصر مضمون اس ایڈریس کا ترجمہ ہے جو ہز ایکسی لنسی امجد علی صاحب نے امریکہ میں حال ہی میں پیش کیا ہے)

کولمبیا یونیورسٹی کے منتظمین نے اپنے دوصد سالہ جشن کے موقع پر تقریر کرنے کے لئے جو مجھے دعوت دی ہے میں اس کو اپنے لئے باعثِ صد عزت و افتخار سمجھتا ہوں۔ آج دنیا کے مختلف شہروں میں لوگ ان تقاریب میں شوق سے حصہ لے رہے ہیں اور دربارِ علم میں اپنا سرِ نیاز خم کر رہے ہیں تحصیلِ علم کی خاطر اپنا تن من نثار کر رہے ہیں اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کو علم کے استعمال میں پوری پوری آزادی حاصل ہے منتظمین یونیورسٹی نے جو تقریر کا عنوان رکھا ہے یعنی کہ انسان کو تحصیلِ علم کا پورا پورا حق حاصل ہے اور اس کے استعمال میں وہ بالکل آزاد ہے، بہت ہی موزوں عنوان ہے۔ کیونکہ اس سے ہمارے دماغوں میں وہ ابدی صداقت آشکارا اور اجاگر ہو جاتی ہے جسے ہم صدیوں کی تہذیب کے باوجود بار بار بھول جاتے رہے ہیں۔ اس عنوان سے مجھے فوراً اسلام کی تعلیم یاد آجاتی ہے۔ ہم مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعے سے لوگوں کو علم کی دولت بخشتا رہا ہے۔ جہاں تک کہ انسان نے اپنے معاشرے اور ساری کائنات کی پیدائش کی غرض و غایت کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ اسلام کی اصولی تعلیم یہی ہے کہ خدا نے انسان اور کائنات کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کائنات کو ایسے قوانین کے ماتحت رکھ دیا ہے جو اس مقصد کے لئے ممد اور معاون ہیں۔ ان قوانین کا قبول کر لینا ایمان کہلاتا ہے اور ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا نیک زندگی کہلاتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم یہی ہے کہ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہو یعنی وہ اپنے قویٰ اور خدا داد طاقتوں کو اس طرح ترقی دے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جائے۔ قرآن کریم میں بار بار آتا ہے کہ انسان کو کائنات پر حکومت عطا کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ قدرت کی ہر ایک چیز پر اس کو اقتدار بخشا گیا ہے۔ گویا اسلام علم، مشاہدہ، مطالعہ اور علمی تحقیقات کا دروازہ کھولتا ہے۔ سب سے پہلی وحی جو ہمارے پیغامبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی یہی تھی کہ اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ پڑھ کہ تیرا رب بڑے اکرام والا ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور اس کو وہ علوم پڑھائے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے محض اپنے فضل سے انسان کو تحصیلِ علم کے ذرائع سے آگاہ کیا۔ بعد کی تعلیمات کا زور اس بات پر رہا کہ انسان کا فرضِ اوّلین یہی ہے کہ علم حاصل کرے۔ احادیثِ نبویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ علم کا حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تحصیلِ علم کیلئے اگر چین تک بھی جانا پڑے تو ضرور جاؤ۔

مجھے انسان اور کائنات کے اسلامی تصور کے متعلق مندرجہ بالا حوالے دینے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ مسلمانوں کے مذہب کے متعلق اگر کوئی غلط فہمی ہو تو دور ہو جائے۔ آج مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ ہے اور وہ ایشیا اور افریقہ کے ایک بڑے حصہ میں پائے جاتے ہیں جہاں تحصیلِ علم اور اسکے استعمال کا سوال بڑا ہے۔

تعلیم ——— اور ——— اسلام

جناب چودھری ابو البشیر صاحب وکیل

تمام مخلوقات کو قدرتِ خداوندی سے علم حاصل ہے۔ انسان کے علاوہ باقی حیوانات کو اس حد تک علم سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنی خوراک حاصل کر سکیں اور دشمن کے شر سے بھاگ کر یا اپنے قدرتی ہتھیاروں سے جو وہ لیکر پیدا ہوتے ہیں بچ سکیں۔ لیکن انسان کو حواس ظاہری اور باطنی کے علاوہ جن سے وہ دفعِ ضرر اور جلبِ نفع کا کام لیتا ہے ایسی روحانی، جذباتی اور عقلی طاقتیں بھی دی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے علم اور ادراک میں روز افزوں ترقی کر سکتا ہے اور حیرتناک ایجادات اور عجائباتِ قدرت دکھا سکتا ہے لیکن علمی ترقی کے لئے اس کو معلّم کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ ایسے علوم سیکھ سکتا ہے جو اس کو دیگر حیوانات سے امتیاز اور برتری بخشتے ہیں بلکہ وہ ان سے فرشتوں پر فوقیت حاصل کر سکتا ہے۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے " وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲/۲۹) (انسان کو خدا نے تمام علوم متعلقہ خواص و احوال موجودات سکھا دیئے) جن کی وجہ سے فرشتوں کو بھی اس کی اطاعت کرنی پڑی۔ فرشتوں کو محدود علم دیا گیا ہے اس میں وہ ترقی نہیں کر سکتے اور اپنی حدِ معین سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں " لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا " (اے خدا ہم کو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو سکھایا) حضرت نوحؑ کو خدا نے حکم دیا " وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا " (۹/۳) یعنی ہماری زیرِ نگرانی اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا

اس طرح صنعتِ جہاز سازی کی بنیاد پڑی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اِس فن میں ترقی کی۔ بڑے بڑے بحری جہاز بننے لگے۔ جن میں مالِ تجارت دُور دراز ملکوں سے آنے لگا اور سفر کے لئے آسانیاں پیدا ہوئیں لیکن ان جہازوں کی رفتار کی تیزی کا انحصار قدرتی ہوا پر تھا۔ جب سٹیم انجن ایجاد ہوئے تو دخانی جہاز بن گئے جو بڑی سرعت سے ہزاروں میلوں کا سفر تھوڑی مدّت میں طے کرنے لگے اور تمدّن کی رونق میں اضافہ ہُوا۔

پارسیوں کے انبیاء کے صحف مندرجہ دساتیرِ آسمانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر علمِ نجوم بذریعہ الہام نازل ہوا تھا جس کو بعد میں ایرانیوں نے کمال تک پہنچایا۔ چونکہ ایرانی اور آریہ لوگ وسط ایشیا سے آئے تھے اور دونوں کا مذہبی علم ایک ہی تھا اسلئے ہندوستان کا علمِ نجوم بھی پارسی انبیاء کے آثار کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔

ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کو بھی دساتیرِ آسمانی میں نبی مانا گیا ہے، اس کی نسبت ایرانی لٹریچر میں بلیج ہے کہ اس کو پارچہ بافی کی صنعت الہاماً سکھائی گئی تھی جس کو بعد میں ترقی دی گئی۔

قدیم ایرانیوں میں مانی نام ایک مشہور و معروف نقاش اور مصوّر گزرا ہے جس کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی ہے اور نبوت کے فیض سے اس کو نقاشی اور مصوّری کا حیرت انگیز علم حاصل ہُوا ہے۔ ایرانی موبدوں (علماء) نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا اور بادشاہِ وقت نے جو موبدوں کی پیروی کرنے والا تھا اس نامور اور لاثانی شخص کو قتل کرا دیا۔

لیکن اس کا فن زندہ ہو گیا اور اس زمانہ میں عروج تک پہنچ گیا ہے۔

دساتیر آسمانی میں سکندر اعظم کو انبیاء کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے اور اس کا الگ صحیفہ اس میں درج ہے (دیکھو صفحہ ۳۶ دساتیر آسمانی مطبوعہ ۱۲۸۰ھ) تواریخ میں درج ہے کہ سکندر نے آئینہ سازی کی صنعت ایجاد کی جو اب بدرجہ کمال پہنچ چکی ہے۔

توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو مع بنی اسرائیل جن کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی عرصۂ دراز تک جنگلوں میں رہنا پڑا اور انہوں نے الٰہی ارشاد کے مطابق جو نہایت مفصّل تھا عجیب و غریب خیمے بنائے جن میں رہائش اور قربانیوں کا انتظام تھا۔ یوں خیمہ دوزی کی صنعت نے دنیا میں رواج پایا۔

حضرت داؤدؑ نے خدا کے الہام کے مطابق لوہے کو پگھلا کر آہنی سامانِ حرب اور دیگر اشیاء مثل اوزارِ دستکاری وغیرہ تیار کیں۔

حضرت سلیمانؑ نے الہامِ الٰہی کے مطابق تانبے کو پگھلانا سیکھا اور اس سے کئی قسم کے سامان و ظروف شور و نوش تیار کئے اور عمارات کے فن کو بدرجہ کمال پہنچایا۔ غوطہ خوری کے فن کے ذریعہ سمندروں اور جھیلوں سے موتی اور جواہرات برآمد کئے جو شاہی زینتوں کے کام آئے۔ ہوائی جہازوں کی صنعت کو اس قدر ترقی دی کہ اس کی مثال اس زمانہ میں بھی نہیں ملتی۔ عکاسی کے فن کو بھی حضرت سلیمانؑ نے اس قدر کمال تک پہنچایا کہ ان کے اہلِ علم درباریوں میں ایسے سائنس دان عکاس اور مصوّر موجود تھے جو کشف کے ذریعہ سے دُور دراز فاصلہ کی چیزوں منظروں کی عکس لینے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ کو کشف کے ذریعہ سے جڑی بوٹیوں کے خواص و فوائد و منفعت معلوم ہوتے جو طب کی کتابوں میں درج ہوتے چلے آتے ہیں اور اب علمِ طب کمال تک پہنچ چکا ہے۔

حضرت ابراہیم اور آپ کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبہ میں دُعا مانگی تھی کہ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ" (۲/۱۲۳) (اے ہمارے رب! ہماری ذریت میں کوئی رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو علم و حکمت سکھائے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے۔)

ان کی دُعا کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے۔ جن کو خود خداوند عالم نے حکمت اور لدنی علم سکھایا۔ جیسا کہ فرماتا ہے "اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" (۴/۱۱۳) کہ خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور وہ علوم تجھ کو سکھائے جن کو تو نہیں جانتا تھا۔

حوادثِ ارضی و سماوی سے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے گردشِ ایام کی دست بُرد سے ہر ایک وجود پر فنا طاری ہو رہی ہے۔ اگلے انبیاء کے نوشتوں میں بھی تغیر عظیم و تحریف ہوئی ہے۔ اگر ان نوشتوں کو غور سے پڑھا جائے تو وہ خود اپنے محرّف و مبدّل ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے متعلق جو تمام مقدس کتب اور معارفِ حقّہ تابتہ پر مشتمل ہے اور انسانی راہنمائی کے لئے مکمل ضابطہ اور رشد و ہدیٰ کا سرچشمہ ہے۔ الٰہی ارشاد ہے :-

(۱) "اِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ" (۴۱/۴۲)

یعنی یہ قرآن ایک مستحکم اور پائیدار کتاب ہے جس میں اب بھی کوئی جھوٹی بات نہیں ہے اور نہ آئندہ زمانہ میں کسی قسم کا جھوٹ اس میں لایا جا سکے گا۔"

(۲) "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" (۱۵/۹)
ہم نے اِس ذکر (قرآن مجید) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

(۳) "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (۸۵/۲۲)
یہ بلند پایہ قرآن محفوظ تختی میں موجود رہے گا۔"

(۴) "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (۵۶/۷۷)
یہ قابلِ عزت و تکریم قرآن ایک پوشیدہ کتاب میں موجود رہے گا۔"

لوح محفوظ اور کتاب مکنون سے مراد انسانی دماغ ہے جو بظاہر نظر سے اوجھل ہے لیکن قرآن کے حافظ اس دماغ میں چھپے ہوئے قرآن کو اوراق پر لکھے ہوئے قرآن کو دیکھے بغیر جس وقت چاہیں حاضرین کو سنا سکتے ہیں۔ ایسے حفاظ سے دنیا کا کوئی ملک خالی نہیں ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی یہ زبردست پیشگوئی بڑی شان کے ساتھ ساڑھے تیرہ سو سال سے اب تک پوری ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کا ایک اٹل نشان ہے۔

زمین کے اندر جو خزائن خداوند کریم نے ودیعت کئے ہیں وہ موجودہ سائنس اور علم طبقات الارض کے ماہرین نے مشینی آلات کے ذریعہ سے معلوم کر لئے ہیں۔ کئی مفید اشیاء اور فلزات کے ذخائر اور کانیں ظاہر ہو گئی ہیں جن کو باہر نکالکر انسانی ضروریات کے لئے کام میں لایا جاتا ہے۔ کئی قسم کی گیسیں نکل آئی ہیں جو بجلی کا کام دیتی ہیں۔ بجلی پیدا کرنے کیلئے کئی کارخانے ہر ملک میں بن گئے ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی اور کوہ پیکر انجن کھنچوائے جاتے ہیں اور ان انجنوں سے انواع واقسام کے کام لئے جاتے ہیں۔ زمین کو کھود کھود کر تیل نکالا جاتا ہے جس سے ریلوے انجن، موٹریں اور کاریں چلتی ہیں۔ نیز آٹا پیسنے والی مشینیں، زراعت کی اغراض کے لئے چاہات سے پانی نکالنے والی مشینیں اور ٹریکٹر چلائے جاتے ہیں بلکہ اور وہ جن کا پہلے علم نہیں تھا زمین سے باہر نکالی جاتی ہیں۔ اور کئی امراض پر ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین نے اپنے تمام پوشیدہ خزانے نکال کر باہر رکھ دیئے ہیں۔

ان تغیراتِ ارضی کی خبر قرآن مجید نے مندرجہ ذیل آیات میں دی ہے عقلمند ان پر غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔

(۱) "اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا" (۹۹/۳)
زمین اپنے بوجھ یعنی ذخائر و دفائن باہر نکال دیگی۔

(۲) "وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝" (۸۴/۴)
ایک وقت آئے گا کہ زمین وسیع کی جائے گی اور جو خزائن اس کے اندر ہیں باہر نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔" (یورپ کے بعض ملکوں میں سمندر کو مٹی سے بھر کر زمین زراعت کیلئے وسیع کر دی گئی ہے۔)

یہ پیشگوئی بھی قرآن کریم میں موجود ہے کہ سمندروں میں آگ جلائی جائے گی یعنی دخانی جہاز چلائے جائیں گے۔ اور ہر ایک چیز کو اپنی سخت گرمی سے تباہ کرنے والے ایٹم بم سمندروں میں پھینکے جائیں گے۔ خداوند علیم فرماتا ہے "وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ" (۸۱/۹) جبکہ سمندروں میں آگ بھڑکائی جائیگی۔

یہ پیشگوئی بھی قرآن مجید میں درج ہے کہ لادو اور سواری کے جانور جن کی مادائیں دس ماہ کی مدت میں بچہ جنتی ہیں بیکار ہو جائیں گے اور ان کا کام موٹروں، کاروں، ٹریکٹروں اور ریلوں سے لیا جائے گا۔ خدا فرماتا ہے "وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ" (۸۱/۵) کہ ایک وقت آئے گا کہ دس ماہ کی مدت میں

چلنے والے جانور (اونٹ، گھوڑے، گدھے اور بیل وغیرہ) بیکار ہو جائیں گے۔

یہ پیشگوئی بھی قرآن کریم میں موجود ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ علم و حکمت، تجارت و دیگر کاروبار کی اشاعت کیلئے کتابیں، رسالہ جات، مجلات، اخبارات اور اشتہارات چھاپ کر بکثرت شائع کئے جائیں گے۔ بڑے بڑے دانا اور ماہرین سائنس پیدا ہو جائیں گے اور حقائق و معارف ان پر کھولے جائیں گے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" (۳۰ / ۱۰) یعنی کتابیں، مجلات، اخبارات اور اشتہارات دنیا میں پھیلائے جائیں گے۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ پیشگوئیاں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے پوری ہو چکی ہیں۔ اور ان کے پورا ہونے سے قرآن مجید کی صداقت واضح ہو گئی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو کفار کہتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ مجنون ہیں وہ خود ہی پاگل ثابت ہو گئے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○
مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○
(۶۸ / ۱)

یعنی دوات اور قلم کے ذریعہ سے جو داناؤں کی تحریریں شائع ہوں گی ان سے تیری صداقت، حکمت اور اعلیٰ کیریکٹر ظاہر ہوگا۔ پھر تجھے کوئی اہل علم مجنون نہیں کہہ سکے گا اور ایسا تیرے رب کے فضل اور انعام سے ہوگا۔"

یہ ہم داناؤں پر چھوڑتے ہیں کہ جس مقدس ہستی نے وحی الٰہی کی بنا پر یہ پیشگوئیاں کیں کیا اس کی دانش و حکمت میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس کے نبی برحق ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ گیا ہے؟

انبیاء سابقین کو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا صنعت و حرفت، پیشہ وروں کے فن اور دنیوی زندگی کے بآرام بسر کرنے کے لئے تمام آلات و ادوات بنانے کا علم دیا گیا تھا۔ اور یہ سب علوم و فنون ضرورتِ زمانہ کے مطابق تھے۔ اور ان کے دوبارہ سیکھنے کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھی۔ آپ کو اعلیٰ حکمت اور معرفت الٰہی اور خدا کی ہستی کے دلائل و براہین کی ضرورت تھی جو قرآن مجید میں فصاحت و بلاغت اور مثالوں سے واضح طور پر بیان فرمائے گئے ہیں۔ نیز اعمال کی جزا و سزا کے لئے یوم القیامت کے اثبات کی ضرورت تھی کیونکہ جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو کہ اس کے اعمال کی بازپرس کے لئے ایک دن ضرور آئے گا وہ نیک اعمال پر آمادہ اور بد اعمال سے مجتنب نہیں ہو سکتا۔ نیز عبادتِ الٰہی اور دعا کے طریقے بتلانے لازمی تھے۔ سو قرآن نے یہ سب ضرورتیں بطریق احسن پوری کر دی ہیں۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ قرآن مجید تمام آسمانی نوشتوں سے افضل اور اکمل ہے اور اس کی پیروی سے تمام روحانی علوم اور فیضانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ امت کے صلحاء اور اولیاء کو حاصل ہوا۔

مومن انبیاء کے علوم اور فیوض کا وارث ہے۔ اسلئے اس کو علوم صنعت و حرفت، تجارت و طبابت، زراعت اور فنونِ حرب سیکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اس کو قرآنی علوم کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جن سے وہ روحانیات میں ترقی کر سکتا، نجاتِ اُخروی حاصل کر سکتا اور اعلیٰ کیریکٹر کا مالک بن سکتا ہے۔

تعلیم ــــــ اور ــــــ قرآن مجید

(مکرم امین اللہ خان صاحب سالک مولوی فاضل متعلم جامعۃ المبشرین)

تعلیم کی ابتداء تعلیم کی ابتداء کب ہوئی اور سب سے پہلا معلم کون تھا؟ اس سوال کا جواب قرآن کریم کے آغاز سے ہی مل جاتا ہے۔ آدمؑ اور ملائکہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (پارہ ۱ رکوع ۴)

کہ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اسماء سکھائے پھر ان فرشتوں کو کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے اسماء بتاؤ"

گویا ابتداء آفرینش سے سلسلۂ تعلیم و تعلم چلا آ رہا ہے اور سب سے پہلا معلم خود خدائے علیم و خبیر ہے۔

تعلیم کی فضیلت تعلیم کی فضیلت کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ جب فرشتوں نے زمین میں خلیفۃ اللہ بنانے پر اعتراض یا استفسار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے علم اسماء کو وجہ فضیلت قرار دیتے ہوئے ان کی بات کو ٹھکرا دیا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے آدمؑ کے صفات الٰہیہ کا مظہر ہونے کی وجہ سے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سجدہ کریں۔

یوں تو تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں مگر قرآن کریم نے تعلیم پر جتنا زور دیا ہے کسی اور کتاب نے اتنا زور نہیں دیا۔ اور تو اور قرآن کریم کی رُو سے اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تعلیم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

(پارہ ۲۲ رکوع ۱۶)

کہ خدا تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

جب عالم کے سوا خدا تعالیٰ سے کوئی صحیح طور پر نہیں ڈر سکتا تو پھر عالم کے سوا صحیح طور پر کس کا ایمان ہو سکتا ہے؟

علم کو خدا تعالیٰ نے بادشاہ اور حکمران کے لئے لازمی صفت قرار دیا ہے۔ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

(پارہ ۲ رکوع ۱۶)

یعنی طالوت کی قوم کو ان کے نبی نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔

انہوں نے کہا وہ بادشاہت کا کس طرح حقدار ہو سکتا ہے، ہم بادشاہت کے اس سے زیادہ حقدار ہیں۔ طالوت تو زیادہ مالدار بھی نہیں۔ اُس نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور جسم میں فوقیت بخشی ہے اور اسے تمہارے لئے بادشاہ منتخب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور وہ واسع اور علیم ہے۔"

گویا بادشاہت کے انتخاب کے لئے خدا تعالیٰ نے علم اور جسم کو مدِّنظر رکھا۔ اور پھر علم اور جسم میں سے بھی علم کو اوّلیت دی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ دُنیاوی بادشاہت بھی اُنہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو علم میں دوسرے لوگوں سے سبقت لے گئے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (پارہ ۵۔ رکوع ۱۴)

کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور جو تو نہیں جانتا تھا وہ تجھے سکھایا اور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔"

گویا علم بھی فضل کی ایک قسم ہے۔

علاوہ ازیں خدا تعالیٰ نے علماء کے علم کو دلیلِ صداقت بھی ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید کو اپنی طرف سے نازل شدہ بتاتے ہوئے فرمایا:۔

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ (پارہ ۱۹)

کہ کیا اس بات کے ثبوت کیلئے کہ قرآن کریم میں نے نازل کیا ہے کفار کے لئے یہ دلیل نہیں ہے کہ اس بات کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔

تعلیم کے ذرائع

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔ چند امور درج ذیل ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کا واقعہ خدا تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰٓى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَلَآ أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

(پارہ ۱۵۔ رکوع ۲۱)

یعنی اس برگزیدہ انسان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں تیری پیروی کروں اس شرط پر کہ تو مجھے وہ بھلائی کی باتیں سکھائیگا جو تجھے سکھائی گئی ہیں۔ اُس برگزیدہ نے کہا کہ تو میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھے گا اور تو ان باتوں پر کیسے صبر کر سکتا ہے جن کی کُنہ کا تجھے علم نہیں۔ موسیٰؑ نے کہا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تیرے حکم کی نافرمانی نہیں کرونگا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے میری پیروی کرنی ہے تو اس وقت تک کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا

جب تک کہ خود میں پہلے اس کا ذکر نہ کروں"۔

اِس سے معلوم ہؤا کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے صبر اور اطاعت ضروری چیزیں ہیں۔

(بعض لوگ عدمِ علم سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ نبی کسی آدمی کا شاگرد نہیں ہو سکتا حالانکہ حضرت موسیٰؑ کا تعلیم پانا از روئے قرآن ثابت ہے)

تعلیم کے حصول کے لئے ایک ضروری امر استاد اور شاگرد کے ذاتی تعلقات کا قائم ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر انسان اور ہر نبی کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا ہے۔ انسان کی تعلیم کے متعلق کہا :۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا
لَمْ يَعْلَمْ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۱)

... کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"

انبیاء کی تعلیم کا متفرق جگہ ذکر ہے۔ مثلاً :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ذکر پارہ ۵ رکوع ۱۴ میں ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کا ذکر پارہ ۷ رکوع میں ہے۔

حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ کے متعلق پارہ ۱۹ رکوع ۷ میں آیا ہے :۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
عِلْمًا ۔

کہ ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم بخشا"۔

غرضیکہ خدا تعالےٰ نے ہر انسان اور ہر نبی کو علم دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کیوں انبیاء کو زیادہ علم دیتا رہا ہے؟

اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انبیاء کے خدا تعالیٰ سے زیادہ تعلقات ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ زیادہ علم حاصل کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جب تک کوئی استاد کسی شاگرد کی طرف ذاتی توجہ نہ دے اُس وقت تک وہ شاگرد اُس استاد سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکتا۔

تعلیم کے حصول کا ایک اور بڑا ذریعہ دُعا ہے۔ خدا تعالےٰ نے خود بھی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ایک دُعا سکھائی ہے۔ فرمایا :۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝

(پارہ ۱۶۔ رکوع ۱۵)

کہ (اے رسولؐ) تو ہمیشہ کہتا رہ کہ اے میرے رب میرے علم کو بڑھا"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا برگزیدہ انسان جسے تمام اوّلین و آخرین سے بڑھ کر علم حاصل تھا اس بات کا مستحق قرار دیا گیا کہ وہ یہ دُعا کرتے رہیں اور علم میں زیادتی کے طالب بنیں تو اور کونسا انسان ہے جسے علم میں ترقی کی ضرورت نہ ہو۔

علم مادی کی بھی کوئی حد نہیں اور علم روحانی بھی بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ آئیے ہم سب بھی کہیں۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝

نورِ فرقان

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
کس سے اُس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

——— (درثمین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ایک پہلو

احادیثِ نبویہ میں حصولِ علم کی تاکید!

(جناب میاں عبدالرحمٰن صاحب دھلوی کوئٹہ)

دُنیا میں جس قدر انبیاء و مرسلین، رشی اور ریفارمر آئے اُن سب کی تعلیمات کو جمع کر کے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسری طرف صرف ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو جو حصولِ علم کے بارے میں ہیں ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو میں یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات والا پلڑا بھاری رہے گا۔

بالفاظِ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تاکیدی احکامات دینی و دُنیاوی علوم کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں دیئے ہیں وہ باقی تمام مذاہب کے بانیوں سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ یہ میرا چیلنج ہے، کوئی ہے جو اس کو قبول کرے؟

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُطْلُبُ الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ" یعنی علم حاصل کرو پنگوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک۔

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ ادھر بچہ پیدا ہوا اسے نہلا دُھلا کر لٹایا گیا۔ قبل اس کے کہ اسے کچھ پینے کو دیا جائے اس کے داہنے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ اللہ اکبر۔ سب سے پہلا لفظ جو اس کے کان میں پڑتا ہے وہ اللہ کا ہے۔ دنیا کے تمام علم النفس کے ماہر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو بات آغوشِ مادر میں بچے پر اثر انداز ہو سکتی ہے وہ اس کے بعد نہیں۔ اسی لئے بچے کی صحیح تربیت کا زمانہ آغوشِ مادر سے شروع ہوتا ہے۔ پھر بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے۔ گر دونوں کانوں میں اختتام لا الٰہ الا اللہ پر ہی ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! غور فرمائیے پچاس ساٹھ سال اس دنیا میں گذارنے کے بعد اس کی وفات پر جب اُسے قبر میں اُتار رہے ہوتے ہیں تو وہی آخری الفاظ لا الٰہ الا اللہ دوہرائے جا رہے ہوتے ہیں۔

پھر ایک حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ" کہ علم کا حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان مرد و عورت پر۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو تعلیم نہیں دلانا چاہیئے کیا وہ اِن الفاظ پر غور فرمائیں گے؟ کیا وہ اتنا سوچنے کی زحمت گوارا کریں گے کہ ان کا یہ کہنا کہ "لڑکیوں کو پڑھانا نہیں چاہیئے" خدا اور اس کے رسول کی صریح مخالفت ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُطْلُبُ الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" یعنی علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

جب حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا چین اُس وقت کی معلومہ دُنیا

کا سب سے آخری ملک تھا۔ اس میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اوّل یہ کہ علم حاصل کرنے کے لئے جتنا بھی دور جانا پڑے جاؤ اور علم حاصل کرو۔ دوم یہ کہ دنیاوی علوم حاصل کرنے کے لئے بھی دور دراز کا سفر طے کرنا چاہیئے۔ آجکل کے جو مولوی صاحبان غیر زبانوں کا سیکھنا کفر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم سے مراد صرف دینی علم ہے۔ اور صرف یہی دینی علم مسلمان مردوں اور عورتوں کو حاصل کرنا چاہیئے نہ کہ موجودہ زمانہ کے سائنس اور دوسرے علوم۔ کیا میں ان مولوی صاحبان سے یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس وقت جب حضورؐ نے یہ بات بیان فرمائی کیا اس وقت صحابہ کرام رضحضورؐ کے پاس تشریف فرما نہیں تھے؟ اور کیا وہ عرض نہیں کر سکتے تھے کہ یا رسول اللہ! علم (علم دین) تو آپ کے پاس ہے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم چین کے دور دراز ملک میں اتنا دشوار گذار راستہ طے کر کے جائیں، ہم تو ہیں آپ سے ہی سب کچھ سیکھیں گے۔ اور چین والوں کو چاہیئے کہ یہاں ہماری نسلوں سے علم سیکھنے آئیں۔ علم تو آپ کے پاس ہے اور ہمارے بعد ہماری نسلوں کے پاس رہے گا۔ چین میں کیا رکھا ہے۔ مگر صحابہ رض سمجھتے تھے کہ آپؐ کا مطلب دنیاوی علوم سے بھی ہے۔

پھر ملاحظہ فرمایئے کہ حضورؐ نے علم کی فوقیت اور کس طرح ظاہر فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا "عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آپؐ فرماتے ہیں" طالب علم کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نے فرمایا "جو شخص علم کی تلاش میں سفر کرے اور حالت سفر میں وفات پا جائے تو وہ شہید ہے"

مندرجہ بالا احادیث سے یہ امر اظہر من الشمس ہے۔ کہ مسلمان کو دینی و دنیاوی ہر قسم کے علوم حاصل کرنے چاہئیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ خود حضورؐ کا طرز عمل علم کے متعلق کیا تھا احادیث میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ قرآنی دعا مانگا کرتے تھے۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا یعنی اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما عجیب بات ہے کہ دنیا میں جس قدر عالم گذرے ہیں حضورؐ کا علم ان سب سے بڑھ کر تھا۔ آپؐ کو علم لدنی تھا۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ علم لدنی علم کسبی سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے خصوصاً وہ جس کا خود اللہ تعالیٰ استاد ہو سبحان اللہ اس کے علم کا کیا کہنا مگر اس کے باوجود آپ اپنے اخیر وقت تک یہ دعا فرماتے رہے "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا"۔ اس بنا پر اس بات کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ آدمی بڑی عمر کا ہو کر علم حاصل نہیں کر سکتا۔

اب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر پیش کرتا ہوں جن میں انہوں نے حصول علم کے طریقے بیان فرمائے ہیں ؎

اَلَا لَا تنال العلم اِلّا بستۃٍ ✤ سانبئك عن مجموعها ببيانٍ
ذكاءٍ وحرصٍ واصطبارٍ وبُلغَةٍ ✤ وارشاد استاذٍ وطول زمانٍ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم علم ان چھ باتوں کو چھوڑ کر حاصل نہیں کر سکتے۔ یعنی علم حاصل کرنے کیلئے ان چھ باتوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:-

(۱) ذہانت (۲) علم حاصل کرنے کی تمنا و حرص۔
(۳) صبر و استقلال (۴) قوت لایموت
(۵) استاد کی اطاعت (۶) عرصہ دراز

آمدم برسر مطلب۔ بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اگر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ موجودہ تعلیم عورتوں کے لئے اچھی نہیں ہے تو اس کے لئے آپ طریقہ تعلیم کو بدل دیجئے، نصاب بدل دیجئے۔ لیکن یہ تو درست نہیں کہ علم جیسی دولت سے عورت کو محروم رکھا جائے۔ یاد رکھیئے قومیں ماؤں کی گود میں پل کر جوان ہوتی ہیں۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہے تو اس کی اولاد بھی علم کی شوقین ہوگی اور اگر عورت تعلیم سے عاری ہے تو اس کے نتیجہ میں اوّل وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کر سکتی۔ دوم وہ اپنی اولاد کے دل میں کسی طرح بھی علم کی شمع روشن نہیں کر سکتی۔ بچوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ

اپنی ماں سے طرح طرح کے سوال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ سورج مشرق سے کیوں نکلتا ہے؟ یہ سورج مغرب میں کیوں ڈوبتا ہے؟" اماں کیا ریڈیو میں آدمی بیٹھا ہے؟" موسم گرما میں بارش ہو اور شام کے وقت چراغ کے گرد سینکڑوں پروانے جمع ہو جائیں تو بچہ بڑا حیران ہوتا ہے اور ماں سے دریافت کرتا ہے کہ کل تک تو چراغ کے گرد پروانے نہیں تھے آج اتنے پروانے کہاں سے آگئے؟" عورت اگر تعلیمیافتہ ہے تو وہ بچہ کو تسلی بخش جواب دے گی ورنہ وہ کہے گی ایسا ہی ہوتا ہے۔ یا پھر کہے گی چپ رہو میرا دماغ نہ کھاؤ۔ اور اس طرح بچہ کی تحقیقی طبیعت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ بچہ سہم جاتا ہے اور سوال نہیں کرتا۔ حالانکہ علم تمام ان چھوٹے چھوٹے سوالات سے ہی شروع ہوتا ہے۔ جیسے کیوں؟ کس لئے؟ کس طرح؟ وغیرہ وغیرہ۔

مثلاً ڈارون وہ پہلا شخص تھا جس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ "انسان کس طرح پیدا ہوا؟" انسانی پیدائش کے بارے میں اس نے اپنے انوکھے خیالات مسئلہ ارتقاء کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کئے۔ اس نے ایک علم کا دروازہ کھول دیا اور اس کے بعد آنیوالے علماء (Scholars) نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور کتنی ہی کتب تصنیف کر ڈالیں۔ گو زندگی کا مقصود تو صرف علم نہیں مگر بغیر علم کے زندگی بھی کچھ نہیں۔ یہ جو ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب علم کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ کوئی علم حاصل کرے تو اس کی حتی المقدور یہی کوشش ہو کہ علم کی اُس خاص لائن میں جس کا وہ طالب ہے کمال حاصل کریگا۔ بقول شخصے ؎

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی
کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیزِ من

علم تو بہت لوگ حاصل کرتے ہیں مگر مطمح نظر جُدا گانہ ہوتا ہے۔ کوئی علم کو ذریعۂ معاش بنانے کیلئے حاصل کرتا ہے اور کوئی دنیوی شہرت حاصل کرنے کے لئے۔ لیکن ایک احمدی کا مطمح نظر علم حاصل کرنے سے خالق کی پہچان اور مخلوق کی خدمت ہونا چاہیئے۔

حکماء یہ بھی کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن جب کسی انسان کو کسی چیز کا شوق پیدا ہو جائے۔ تو اس کے راستے کی رکاوٹیں خود بخود دُور ہو جاتی ہیں۔ حصولِ علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے ذیل کے دو اشعار بھی ملحوظ رکھنے چاہئیں ؎

یہ جو عالی مرتبت ہیں انسان بہرہ مند
یہ نہیں اک آن میں پہنچے مراتبِ بلند
بلکہ محوِ خواب ہوتے رات کو جب ہمنشیں!
پڑھتے رہتے تھے یہ لیکر سعی و محنت کی کمند

یہ خیال کہ دُنیا میں جتنے بڑے بڑے انسان ہوئے ہیں یہ سب فطرتی طور پر ہی اتنا ارفع و اعلیٰ دماغ لیکر پیدا ہوئے تھے غلط ہے۔ ان لوگوں نے علم حاصل کیا، اپنی طاقتوں کو صحیح طور پر استعمال کیا۔ اگر صحیح معنوں میں تعلیم دی جائے اور خاص کر غرباء کی تعلیم کا معقول بندوبست ہو تو ان میں کئی اعلیٰ درجہ کے مدبر، عالم، سیاست دان اور غیر معمولی قابلیتوں کے انسان موجود ہیں جنہیں اپنی عمر میں کبھی اُبھرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور یہ گوہرِ نایاب یونہی خاک بسر رہتے ہیں۔

بالآخر خداوند تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی توفیق دے اور پھر یہ بھی توفیق دے کہ ہم اس کے ذریعہ اس کی ہستی کو شناخت کر سکیں اور اس کی مخلوق کی احسن طور پر خدمت بجا لا سکیں۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔

تابوتِ سکینہ

(مکرم ملک محمد مستقیم صاحب ایڈووکیٹ منٹگمری)

تورات میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا جس میں الواحِ موسیٰ و دیگر تبرکات بنی اسرائیل از قسم من و سلویٰ رکھے تھے۔ اس صندوق کو تابوتِ سکینہ کہا جاتا تھا اور لشکر کشائی کے وقت بغرض فتح بنی اسرائیل اس کو ہمراہ اٹھا کر لیجاتے تھے۔ اور اسکی برکت سے فتح و کامرانی حاصل کرتے تھے۔ اسی تابوتِ سکینہ کی یادگار کے طور پر عموماً ابتدائی یہودیوں کے گھروں کے باہر ایک کھمبا زمین میں گاڑا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بکس یا صندوقچہ لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس میں تورات کی دس پسندیدہ آیات لکھی ہوئی ڈال دی جاتی تھیں اور گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت اہلِ خانہ کا ہر فرد اسکو بوسہ دیتا تھا اور اس طرح برکت حاصل کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ رسم ترک کر دی گئی۔ مگر اب بھی یہود جو اپنے تئیں اہلِ کتاب یعنی orthodox کہتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اپنی دیگر روایات کی بھی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ یہ صندوقچہ اس گھر کی حفاظت اور خداوند کے وعدہ کی یادگار ہے جب خداوند مصری لوگوں پر عذاب لاتا تھا اور بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ دیتا تھا۔ غرض تابوتِ سکینہ وہ صندوق ہے جس میں تورات کا نسخہ رکھا تھا اور اس کے ذریعہ بنی اسرائیل ہدایت اور نور حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اچھی حکومت کی یہ علامت بیان فرمائی کہ اسمیں تابوتِ سکینہ ہوگا۔ یہاں تابوتِ سکینہ سے مراد "Efficient Cabinet" ہے۔ یعنی لائق کابینہ۔ ایسی وزارت جو اہلِ ملک کی اس طرح سے رہنمائی کرے کہ اسمیں ٹھنڈک اور تسکین ہو۔ اس پر خود بھی عوام کو اعتماد ہو اور وہ ہر محکمہ جو اُن کے سپرد ہو اسکے اہل اور قابل ہوں۔ بیرونی اور اندرونی یا خارجی اور داخلی پالیسی ایسی ہو کہ ہمسایہ اور دُنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ ایسے معاہدات ہوں جن سے وزارت کی دانشمندی واضح ہو۔ اور اُنکی بدولت تعلقات ایسے استوار ہوں کہ تجارت اور حفاظت کی ضمانت ہو۔ اندرونی طور پر ایسے وسائل مہیا ہوں کہ امن اور خوشحالی عوام کی قدمبوس ہو۔ ملک سے باہر اُس کے عوام کی عزت اور شہرت ہو۔ ملک کے اندر لوگ اپنی وزارت پر نازاں ہوں۔ یہ وزارت ایسے قوانین کی موجد اور معمار ہو کہ وہ ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر کے عوام کیلئے باعثِ اطمینان ہو۔ ایسی اصلاحات کا نفاذ کرے جو غریب امیر کیلئے یکساں نفع رساں ہوں اور ایسا نظام پیش کرے جس کا استقبال عوام ذوق شوق سے کریں جس سے اُن کی اہلی زندگی خوشگوار رہے اور قومی زندگی قابلِ رشک نمونہ کا جنم لے۔

عوام کی تسکین اور اطمینان کا ثبوت یہ ہے کہ بھوک اور بیکاری نہ ہو۔ تن پوشی اور رہائش کے لئے کپڑا اور مکان حاصل ہو۔

تعلیم و ترقی کے ذرائع اور صحتِ عامہ کے وسائل مہیا ہوں اور امن کا قیام ضرب المثل ہو۔ قوم اپنی محنت اور خود اعتمادی سے زندگی بسر کرے۔ عوام پر اتنا بوجھ نہ ہو کہ وہ پیدا کر رہ جائیں اور اتنی آسانی نہ ہو کہ تعیش پسند بن جائیں۔ آزادی ضمیر ہو کہ حق کو بے خوف و خطر قبول کریں اور بے راہی نہ ہو کہ ادب احترام کو بالائے طاق رکھ کر بداخلاقی کا نمونہ بن جائیں۔ مناسب پابندی اور واجب آزادی ان کے شاملِ حال ہو کہ وہ ایکدوسرے کے حقوق کو پہچانیں اور ملک کی تعمیر میں حصہ دار ہوں۔

جماعت احمدیہ کی تعلیمی رفتار کا مختصر جائزہ

نظارتِ تعلیم، صدر انجمن احمدیہ کے تعلیمی ادارے

(از جناب شیخ مبارک احمد صاحب - ایم اے نائب ناظر تعلیم)

تعلیم کی اہمیت

قوم کی ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہوتا ہے تعلیم کے ذریعہ سے ذہنی ارتقاء حاصل ہوتا ہے اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔ قوم کی دینی و دنیوی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور انکا منتہائے مقصود حاصل ہوتا ہے تعلیم اور تربیت دراصل ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں اور دونوں پہلوؤں کا ایک ساتھ چلنا ہی کوئی مفید نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ ہماری کامیابی کا راز نظامِ تعلیم کے ہر لحاظ سے مکمل ہونے اور اس سے قومی ضروریات کے پورا ہونے میں مضمر ہے اسلام نے بھی اس امر پر زور دیا ہے کہ تعلیم و تربیت کو یکجائی طور پر چلایا جائے تا بچے اور نوجوان جو علوم بھی سیکھیں انہیں اپنی عملی زندگی میں استعمال کر کے استفادہ کر سکیں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے مفید وجود ثابت ہو سکیں اور اپنی شاندار روایات کو قائم رکھ سکیں۔

اس اہم قومی ضرورت کے پیش نظر نظارت تعلیم کا شعبہ وجود میں آیا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ قومی اور ملی ضروریات کے پیشِ نظر جماعت کے بچوں کو تیار کیا جائے انکی راہنمائی کی جائے۔ ان میں قابلیت پیدا کی جائے اور ان کیلئے ترقی کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ نظارت تعلیم کی مساعی کا مختصراً ذکر کر کے درخواست کی جاتی ہے کہ احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نظارت کو کما حقہٗ کام کرنیکی توفیق بخشے۔ آمین۔

درسگاہیں

اسوقت نظارت تعلیم کے ماتحت دو قسم کی درسگاہیں جاری ہیں۔ اوّل وہ درسگاہیں جو باقاعدہ طور پر نظارت تعلیم کے ماتحت ہیں اور ان کے اخراجات نظارت تعلیم برداشت کرتی ہے۔ یہ درسگاہیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) تعلیم الاسلام کالج ربوہ (۲) جامعہ نصرت ربوہ (۳) جامعہ احمدیہ ربوہ (۴) تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ (۵) نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ۔

دوسری وہ درسگاہیں ہیں جو نظارت تعلیم کی نگرانی میں چلتی ہیں۔ نظارت انہیں مناسب گرانٹ دیتی ہے یہ درسگاہیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) تعلیم الاسلام ہائی سکول گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ (۲) نصرت گرلز ہائی سکول سیالکوٹ شہر (۳) احمدیہ مڈل سکول شادیوال (۴) احمدیہ مڈل سکول لنگے ضلع گجرات (۵) احمدیہ پرائمری سکول کھاریاں ضلع گجرات۔ (۶) احمدیہ پرائمری سکول چک ۹۹ شمالی (۷) احمدیہ پرائمری سکول ترگڑی سیال۔

درسگاہوں کی خصوصیت

اسوقت خدا تعالیٰ کے فضل سے چار ہائی سکول، دو مڈل سکول اور چھ پرائمری سکول نظارت تعلیم کی زیر نگرانی چل رہے ہیں۔ ان کے علاوہ دو ڈگری کالج (ایک لڑکیوں کا اور ایک لڑکوں کا) اور ایک دینی تعلیم کا ادارہ جامعہ احمدیہ ہے۔ ان درسگاہوں میں یہ خصوصیت ہے کہ محکمہ تعلیم اور یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے جس کے ساتھ دینی تعلیم کا انتظام ہے اور اسلامی تعلیم کے مطابق تربیت بھی کی جاتی ہے۔ نظارت تعلیم تمام مدارس سکول و کالج کیلئے الگ الگ دینی نصاب مقرر کرتی ہے اور اسکے مطابق سالانہ امتحان کا انتظام کرتی ہے۔ ہر طالبعلم کیلئے یہ امتحان پاس کرنا لازمی ہے۔ بچوں کی اسلامی تربیت کیلئے دینی ماحول کا ہونا لازمی ہے اور یہ بات ہمارے تعلیمی اداروں میں موجود ہے۔ ان ادارہ جات کو دینی ماحول بھی میسر ہے اور ان درسگاہوں کے اساتذہ اسلامی تربیت کے حامل بھی ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اساتذہ ہماری درسگاہوں میں کام کرتے ہیں وہ قربانی کر کے کام کرتے ہیں کیونکہ وہ اس خدمت کو خدمتِ دین سمجھ کر نسبتاً تھوڑے معاوضہ پر کام کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ اس جذبہ کے ماتحت وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری درسگاہوں کے نتائج سیکنڈری بورڈ آف ایجوکیشن اور یونیورسٹی کے امتحانات کی اوسط نتیجہ سے

بہت اچھے ہوتے ہیں اور جس وقت طلباء تعلیم مکمل کر کے ان درسگاہوں سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ دیگر درسگاہوں کے طلباء کی دنیوی علوم میں پوری دسترس رکھتے ہیں اور دینی علوم سے بھی کافی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور اسلامی اخلاق میں رنگین اور اسلامی آداب سے مزین ہونا ان کا خاصہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے نہ صرف احباب جماعت ہی واقف ہیں بلکہ اس کا غیروں پر بھی گہرا اثر ہے۔ بعض معزز غیر احمدی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں اور اپنی بچیوں کو تعلیم کیلئے ربوہ بھجوائیں لیکن چونکہ درسگاہوں کے ہوسٹلوں کا انتظام فی الحال وسیع پیمانے پر نہیں اسلئے وہ اپنے بچوں کو ربوہ نہیں بھجوا سکتے۔ بہرحال نظارت تعلیم اس فکر میں ہے کہ درسگاہوں کے ساتھ ساتھ ہوسٹلوں کا بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہو تاکہ بیرونی طلباء اور طالبات زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

تعلیمی مصارف اسوقت مجموعی تعلیمی مصارف ۳½ لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب ہوتے ہیں تعمیرات کی رقم ان مصارف میں شامل نہیں۔ اس رقم میں سے اساتذہ کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔ فرنیچر خرید کیا جاتا ہے، دفتری عملہ و سائر اخراجات ادا کئے جاتے ہیں اور درسگاہوں کا تعلیمی سامان اور سائنس کا سامان وغیرہ خرید کیا جاتا ہے۔

تعلیمی وظائف مستحق اور قابل طلباء کو تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں غرباء کو کتب مہیا کی جاتی ہیں اور اعلیٰ یونیورسٹی کی تعلیم کیلئے وظائف جاری کئے جاتے ہیں۔ ایسے وظائف بی اے۔ بی ایس سی۔ ایم اے۔ ایم ایس سی۔ میڈیکل۔ انجنیئرنگ۔ ایگریکلچر۔ لا اور ٹریننگ کالج کی تعلیم کیلئے دیئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ سکول کے طلباء کو بھی وظائف جاری کئے جاتے ہیں۔ معذورین، بیوگان اور یتامیٰ کے امدادی وظائف تعلیمی وظائف کے علاوہ ہوتے ہیں حسب گنجائش دیگر احمدیہ انسٹی ٹیوشنز کی بھی مالی امداد کی جاتی ہے۔

درسگاہوں کی تعمیر قادیان میں ہماری درسگاہوں کی پختہ دیدہ زیب اور نہایت خوبصورت عمارات تھیں۔ ہجرت کے وقت وہ عمارات تو پیچھے رہ گئیں اور ہمیں از سر نو اپنی درسگاہوں کے لئے عمارات حاصل کرنے کیلئے مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ محض حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی توجہ اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنی درسگاہوں کو ربوہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ہجرت کے بعد تعلیم الاسلام کالج قادیان سے لاہور منتقل ہوا۔ لیکن ربوہ کی آبادی کے بعد اس درسگاہ کا لاہور میں رہنا دراصل اپنے اصل مقصد کے حصول کے منافی تھا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ نے اسے جلد ربوہ منتقل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو جو کہ اس کالج کے پرنسپل ہیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ کے ارشاد کے مطابق کالج ربوہ منتقل کرنے میں انکی کوششوں کا نمایاں حصہ ہے کالج کی تعمیر میں صاحبزادہ صاحب موصوف کی کوششوں کا خاص دخل ہے اور ہمیں توقع ہے کہ وہ مستقبل قریب میں کالج کی تعمیر کو مکمل کرینگے۔ جہاں نظارت تعلیم صاحبزادہ صاحب موصوف کی مساعی جمیلہ کو سراہتی ہے وہاں احباب جماعت سے درخواست بھی کرتی ہے کہ وہ صاحبزادہ صاحب کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت کا اپنے پاس سے اجر عطا فرمائے اور آئندہ بھی انکی مساعی میں برکت ڈالے تا تعمیر کا کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے بروقت اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے اور لڑکیوں کے کالج کے اجراء کی ہدایت فرمائی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بچوں کی تربیت میں اصل ہاتھ عورتوں کا ہی ہوتا ہے۔ حضور کی ہدایت کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ نے باوجود اپنی مالی تنگی کے اس ادارہ کی تعمیر کیلئے فوری طور پر رقم کا انتظام کیا جس سے فوری ضرورت پوری کرنے کیلئے کالج اور ہوسٹل کا ایک ایک حصہ تعمیر ہوا۔ اب یہ کالج بی اے تک کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے بقیہ عمارت کی تعمیر ابھی ہونی ہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت کا اسوقت تک صرف ایک حصہ تعمیر ہو سکا ہے۔ طلباء کی تعداد ربوہ کی آبادی کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی ہے اور بچوں کے لئے موجودہ عمارت بالکل ناکافی ثابت ہو رہی ہے اور تنگیٔ جگہ کے باعث مجبوراً بعض طلباء کو داخلہ سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح نصرت گرلز ہائی سکول کا حال ہے۔ ٹی آئی ہائی سکول اور نصرت گرلز ہائی سکول کے پرائمری حصے تاحال کچی عمارتوں میں ہیں۔ الغرض ان تمام درسگاہوں کی عمارتیں ادھوری اور نامکمل ہیں اور موجودہ

ضروریات کے لئے ناکافی۔

جامعہ احمدیہ بھی فی الحال کچی عمارت میں ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کا یہی ایک ادارہ ہے جس میں طلباء کو خالصتہً دینی تعلیم دینے کا باقاعدہ انتظام ہے اور واقفین کو ان کے مخصوص نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اسی درسگاہ میں حافظ کلاس بھی جاری ہے جس میں جماعت کے بچے قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور عام دینی مسائل فقہ اور حدیث سے واقف ہوتے ہیں۔

تعلیمی جائزہ جماعت کی تعلیمی حالت کا جائزہ لینا بھی ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اس جائزہ سے نظارت تعلیم کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ جماعت کے بچے اور نوجوان تعلیم کی کونسی برانچ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کی ضروریات کیا ہیں، ان کی راہنمائی کس طرح کی جا سکتی ہے، ان کا رجحان کس طرف ہے اور آیا موجودہ تعلیمی حالت جماعت کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ لہذا نظارت تعلیم کو جماعت کے طلباء کے اعداد و شمار اکٹھے کرنا پڑتے ہیں۔ اس میں جماعت کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اگر احباب جماعت نظارت تعلیم سے تعاون کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم بہت جلد اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

تعلیم واقفین احباب جماعت کو معلوم ہوگا کہ واقفین کی ضرورت تحریک جدید کو بھی ہے اور صدر انجمن احمدیہ کو بھی۔ میٹرک پاس طلباء کو وقف میں لیکر انہیں دینی تعلیم دلائی جاتی ہے اور سلسلہ کی خدمت کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ ایسے واقفین طلباء جو صدر انجمن احمدیہ کے حصے کے ہوتے ہیں انہیں تعلیم دلائے جانیکا سارا کام نظارت تعلیم سرانجام دیتی ہے۔ یہ واقفین چار سال کا عرصہ جامعہ احمدیہ میں صرف کرتے ہیں اور بعدہٗ تحریک جدید کے اعلیٰ دینی کالج جامعۃ المبشرین میں دو سال مزید دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور گریجویٹ واقفین کو چار سال کیلئے جامعۃ المبشرین میں تعلیم دلائی جاتی ہے۔

متفرق کلاس اس کا مقصد یہ ہے کہ جو احباب جماعت مرکز میں آکر تھوڑا عرصہ قیام کر کے کچھ دینی علوم سیکھنا چاہیں وہ سیکھ سکیں۔ اس کیلئے نظارت تعلیم نے پورے وقت کا معلم رکھا ہوا ہے۔ احباب جماعت کو چاہیئے کہ اس معلم کی خدمات سے جس قدر استفادہ کر سکیں کریں۔ اسی طرح ایک مقامی واعظ بھی نظارت تعلیم کے انتظام کے ماتحت کام کرتا ہے۔ جو احباب جماعت دینی مسائل سے واقفیت پیدا کرنا چاہیں یا اپنے علم میں زیادتی کرنا چاہیں وہ مقامی واعظ کی خدمات سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

مرکزی تعلیمی ادارے تعلیم الاسلام کالج۔ یہ ڈگری کالج ہے اور اس کا پنجاب یونیورسٹی سے باقاعدہ الحاق ہے۔ ایم اے۔ ایم ایس سی۔ بی اے۔ بی ایس سی۔ ایف اے۔ ایف ایس سی کے امتحانات کی تیاری کروائی جاتی ہے۔ طلباء کی تعداد ۵۰۰ سے اوپر ہے۔ یونیورسٹی کے امتحانات میں ہر مضمون میں کالج کے نتائج یونیورسٹی کی اوسط فیصدی سے اچھے رہتے ہیں۔

کالج کا سالانہ بجٹ آمد و خرچ ۱،۷۱،۲۷۵ روپے ہے۔ جس طرح کالج کے طلباء نے علمی لحاظ سے ترقی کی اور یونیورسٹی کے وظائف حاصل کئے اسی طرح کھیلوں میں بھی نمایاں حیثیت حاصل کی ہے اور روئنگ ٹیم تو گزشتہ پانچ سالوں سے یونیورسٹی روئنگ ٹورنامنٹ میں متواتر اوّل چلی آ رہی ہے۔

جامعہ نصرت یہ لڑکیوں کا ڈگری کالج ہے۔ اس میں ایف اے اور بی اے کے امتحانات کی تیاری کروائی جاتی ہے۔ اس وقت طالبات کی تعداد ۹۰ کے قریباً ہے۔ اسوقت سٹاف میں علاوہ زنانہ لیکچرارز کے مرد لیکچرار بھی ہیں مگر تعلیم بہ رعایت پردہ دیجاتی ہے۔ کالج کا ہوسٹل بھی ہے جس میں طالبات کی تربیت کا پورا پورا اہتمام ہے۔ گزشتہ سال انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں ایک طالبہ علم نے یونیورسٹی میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور دو مزید طالبات نے یونیورسٹی کا وظیفہ حاصل کیا۔ محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ پرنسپل ہیں اور محترمہ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ ایم اے ڈائریکٹرس کے فرائض ادا فرماتی ہیں۔

جامعہ احمدیہ میٹرک پاس طلباء داخل کئے جاتے ہیں اور مولوی فاضل کے امتحان کی تیاری کروائی جاتی ہے۔ اکثر طلباء

واقفینِ زندگی ہوتے ہیں جنہیں تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں۔
مولوی فاضل کے نصاب کے علاوہ قرآن مجید کا اُردو ترجمہ اور تفسیر۔ عربی صرف ونحو۔ ادب عربی۔ علم کلام۔ منطق وفلسفہ انگریزی اور اُردو کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس وقت پچاس کے قریب طلباء ہیں۔ طلبہ میں مغربی پاکستان کے علاوہ مشرقی پاکستان، حیدرآباد دکن، چین، افریقہ، انڈونیشیا کے طلباء بھی شامل ہیں۔ جامعہ کا اپنا ہوسٹل بھی ہے۔ بورڈران کی تربیت کا عمدہ انتظام ہے۔ وظائف کی شکل میں جو جامعہ کے طلباء کو امداد دی جاتی ہے وہ چودہ ہزار سالانہ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اس وقت جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری مولوی فاضل ہیں۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ حصہ سیکنڈری وپرائمری کے طلباء کی تعداد بارہ صد (۱۲۰۰) سے اُوپر ہے۔ سٹاف ۲۹ اساتذہ پر مشتمل ہے تفصیل درج ذیل ہے:۔

بی اے۔ بی ٹی	۹	مولوی فاضل	۱
ایف اے جے اے وی	۱	پی ٹی آئی	۱
ایس وی	۳	ڈرائنگ ماسٹر	۱
منشی فاضل میٹرک	۳	اور حصہ پرائمری کیلئے	۷
مولوی فاضل او ٹی	۳	جے وی اساتذہ	

نتائج بہت اچھے رہتے ہیں۔ مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی ہیڈ ماسٹر ہیں۔

نصرت گرلز ہائی سکول۔ طالبات کی تعداد نو صد (۹۰۰) کے قریب ہے۔ معلمات کی تعداد ۲۴ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:۔

ایم اے۔ بی ٹی	۱
بی اے۔ بی ٹی	۳
ایف ایس سی (معہ سائنس)	۱
سی ٹی	۳
ایف اے۔ جے اے وی	۱
میٹرک جے اے وی	۲
میٹرک ان ٹرینڈ	۳
مولوی	۱
میٹرک۔ جے وی	۶
مڈل۔ جے وی	۲

محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ عمر ایم۔ اے ہیڈ مسٹرس ہیں۔ امسال مڈل کے امتحان میں اس سکول کی ایک متعلمہ پنجاب بھر میں اوّل رہی۔ اس کے علاوہ کچھ بچیوں نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ اور دو طالبات نے مڈل سکول سکالرشپ حاصل کیا۔ سکول سے اوّل آنے والی طالبہ پنجاب بھر میں لڑکیوں میں اوّل رہی تھی۔

یہ ان مرکزی تعلیمی اداروں کا مختصر خاکہ ہے جو نظارت تعلیم صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت ربوہ میں جاری ہیں اللہ تعالےٰ مزید ترقی کی توفیق بخشے، آمین +

تحریک جدید کا دینی تعلیم کا اعلیٰ ادارہ
از مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف

جامعۃ المبشّرین

جامعۃ المبشرین دینی تعلیم کا اعلیٰ ادارہ ہے جو تحریک جدید کے ماتحت ۱۹۴۹ء سے ربوہ میں جاری ہوا ہے۔ بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء اس درسگاہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اردو زبان سیکھنے کے علاوہ دینی معلومات اور عربی زبان سیکھتے ہیں اور مدتِ مقررہ کے بعد اپنے اپنے ملکوں میں جا کر اسلام کی اشاعت کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

اس درسگاہ میں غیر ملکی طلباء کے علاوہ پاکستانی طلباء کے داخلہ کا معیار مولوی فاضل اور بی اے ہے۔ مولوی فاضل طلباء دو سال کے بعد جامعۃ المبشرین کی ڈگری **شاھد** حاصل کرتے ہیں اور بی اے پاس طلباء چار سال کے بعد شاہد قرار پاتے ہیں۔

شاہد کے نصاب میں تفسیر و حدیث و تصوّف و فقہ و کلام وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ موازنۂ مذاہب بھی شامل ہے۔ اشتراکیت پر بھی لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ ہر شاہد مبلغ بننے سے پہلے ایک سال کے لئے طِب اور ڈاکٹری کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے۔ اب یہ قرار پا چکا ہے کہ مولوی فاضل پاس طلباء کو بی اے انگریزی بھی لازماً کرایا جائے۔ شاہد کی ڈگری کے حصول کے لئے ایک تحقیقی مقالہ لکھنا بھی ضروری ہے۔

اس وقت جامعۃ المبشرین میں ۴۵ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ سب واقفِ زندگی ہیں اور تبلیغِ اسلام کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ گریجوایٹ طلباء (عربی اور انگریزی) کے علاوہ جن ممالک سے آئے ہوئے غیر ملکی پڑھ رہے ہیں یا پڑھ کر جا چکے ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ڈچ گیانا (امریکہ) (۲) بہین (۳) مشرقی افریقہ (۴) سیلون (۵) ٹرینیڈاڈ (امریکہ) (۶) انڈونیشیا۔ (۷) سوڈان (۸) شمالی امریکہ (۹) برما (۱۰) قبرص۔ (۱۱) جرمنی (۱۲) شام۔

اس وقت تک جامعۃ المبشرین کے فارغ التحصیل مبلغین پاکستان میں اور بیرونِ پاکستان متعدد ممالک میں فریضۂ اشاعتِ اسلام ادا کر رہے ہیں۔ جامعۃ المبشرین کے شاہد مبشر اس وقت جنوبی و شمالی امریکہ، انگلستان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، لائبیریا، ملایا، مشرقی افریقہ، انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں خدماتِ دینیہ بجا لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مساعی میں برکت دے، آمین۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے چھ صاحبزادگان جامعۃ المبشرین سے شاہد کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

جامعۃ المبشرین کی پختہ عمارت اب تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ یہ ساری عمارت احبابِ جماعت کے خاص چندہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ طلباء کی رہائش کے لئے باقاعدہ ہوسٹل کا بھی انتظام ہے جو ابھی خام عمارت میں ہے۔

عملہ جامعۃ المبشرین میں اس وقت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل کے علاوہ حسبِ ذیل اساتذہ کرام پروفیسر علی احمد صاحب ایم اے۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل۔ مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب۔ قریشی مقبول احمد صاحب۔ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب۔ خاکسار غلام باری سیف۔ ملک نذیر احمد صاحب ریاض اور مکرم عطاء محمد صاحب منشی فاضل شامل ہیں۔

ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد اس تعلیمی ادارہ کا معرضِ وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نشان ہے۔ اس جگہ دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ بھی تعلیم پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخلصانہ خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آمین ✦

يدهش الملاحدة أن يقال علمنى الله من لدنه هم يتخذون هذا المدعى لاول وهلة موضوع فكاهاتهم وتندرهم - ولا يقف الامر عند هذا الحد ، بل ان بعض المسلمين الجامدين ايضا من ينكر هذا الباب من التعليم ، وبذلك يذهب بعيدا عن جارة الصواب - وهل تدرون السر في استخفاف الملاحده ، وضلال الجمد من السلمين ؟ ألا ان السر يختبى وراء التجربة فى حقيقة الامر - اذان العقل قاصر عن تصور الكيفية التى ترافق التعليم الدنى - ان التجربه لوحدها تهب اليقين الكامل ، وهى كفيلة بدفع الشك والريب وفهم الموضوع - ان من كانت له تجربه فى هذا الميدان ، تغنيه تجرتبه هذه موؤنه البحث والنقاش - فالملحد الذى يذل جل عمره فى تكذيب القائلين بالتعليم اللدنى ، نجده وقد القى سلاحه بغته اذا باآضحى صاحب تجربه فيه أى اذا ماغلم ولو موضوعا واحدا من لدن الله عز وجل - اذلينتقل هذا الموضوع لديه من عالم الفكر الى عالم الحش والتجربة - ومن النادر ان ينكر المرء الشمس فى رابعة النهار -

انه يتعسر على الاتيان على موضوع التعليم اللدنى فى صفحتين من صفحات مجلة" الفرقان " لذلك اجدنى مضطرا للا قتصار على الاولا ' بتجربتى فى الموضوع ، كاشفا بها القناع عن منزله" سيدنا احمد المسيح الموعود عليه السلام الذى فتحت عليه بحار التعليم اللدنى' فعلم من الله مالم يتعلمه ولى الى اليوم من اوليا' الامة المحمدية ولا من غيرها من الامم السالفة" ' وكان كل ذلك ببركة محمد المصطفى واتباع شريعته صلى الله عليه وسلم .

كنت اقضى فصل الصيف فى مدينه كويته المعروفه" منذ سنتين ' وعزمت جماعة فيها اذ ذاك على احياء السيرة النبوية فازاعت فى منشور وزعته عزمها ذاك ' ووضعوا اسمى من بين الخطبا' فى الاحتفال . وقبل انعقادالحفلة بيومين اطلعنيى امير للجماعة" على الامر و طلب منى الاستدار للخطابه" ولما كان اميرا ' اطعته فوعدته خيرا ' ولكنى عندما خلوت بنفسى في غرفتى ' شعرت بقصر باعى فى المضمار ' وسرعان مانهضت فتوضأت وصليت ' واخذت فى منا جاة الله عز وجل فى آخر سجدة قلت: يارب' تعلم انى نزلت عند حكم الامير بماامرتنايا لطاعة المعروفة أما وانى عاجز' وأنت العليم المحيط بعظمه" رسولك وانى جئتك ضارعا سائلا أن تكشف على وجها من اوجهها ' فلا يشمت بى الاعدا' وتكون كلمتك هى العلياء وتمرغت على اعتاب الحضرة الالهية متضرعا باكيا سائلا الله ان يكون معلمى وناصرى ' ونجا'ة وعلى حسين غرة منى شعرت بقوة ملكوتيه تسيطر على لسانى فتهزه ليتلو قوله تعالى : (ان اكرمكم عند الله اتقاكم) أجل وربى انها لاية جرت على لسانى وبدون ارادتى ' والقى فى روعى فى الوقت نفسه وبأقل من لمح البصر ' موضوع هذة الاية" الجليله" . فعلمنى ربى من لدنه ' له الحمد والمنه" ' ان فيها مفتاح حل اعظم المعضلات التى استعصى على العالم حلها اليوم . "ان بمبادئ" هذه الاية - يمكن استتباب الامن والسلام فى العالم هذا السلام الذى تصبوا اليه كل نفس ' وتحلم به كل روح ' تزعم امكان التوصل اليه كل المذاهب والآراء حتى واطلعنى ربى على نقاط الضعف فى اهم مبادئ' المذاهب والديانات سوى الاسلام . ووجهنيى من لدنه الى ان عظمه" الذات المحدية تختبئى ورا' عظمه" تعاليم هذه الايته ' التى هى واحدة من مئات امثالها الزلت على قلبه صلى الله عليه وسلم . والقيت الخطاب فى الحفلة ' فكان امير الجماعه" اول من هنا'لى مبديا اعجابه بالموضوع ' حتى ولخصت بعض الجرائد اياه مقرضة" معجبه" .

ولو اتسع لی الوقت فی المستقبل ، فسأعمد الی تدوین الموضوع بصورة کتاب ، هذا بتوفیق الله وتأییده ـ

فانظروا ، کنت آمنت عن حجة بامکان التعلم من لدن الله ـ وقص علی حضره امیر المومنین ایده الله زات مرة کیف انه ازا استعصی علیه فهم آیه او سورة ، قام فصلی ودعا الله فعلم من لدن الله مالم یتوصل الیه بالعقل واللغة ـ وصدقت یومذاک قوله فقط لایمانی بصدق مایقول اذ لااعلم انه یقول غیر الحق ـ واذ بالایام تکشف علی الامر بالتجربه الذاتیه فیرتفع الحجاب ، ویمتلئ القلب بالیقین ـ فالتجربه اذا هی الکلمة الفصل ـ وعدم المبادرة الی التکذیب وسلوک السبیل القویم هو الطریق الصحیح فی امکان التعلم من لدن الله تعالی العلیم الخبیر ، فیستبدل الانسان الخسارة بالربح ، والشطط بالاعتدال ـ

ایها المنکرون العمیان الغافلون ، هلموا الی الله ، تعالوا ولا تتنکروا لقدره وعلم خالقکم ، کفاکم انکم عبید عجز ، مستعبدی المادة ، فتعالوا الی خالق الماده یحررکم من الماده وسلطانها ، الی عالم الخلود ، لن یغنیکم العنار شیئا ـ لکل شئی باب فهلموا الی مدرسة التعلم اللدنی فادخلوها من ابوابها ، تجدوا الله المعلم الاول والاخر واعلم العالمین ـ هذا القرآن بین ایدیکم ، فما أعظمه ، والرحمن علم القرآن ، خلق الانسان علمه البیان ، القرآن اعجز الانس والجان ، فبأی آلاء ربکما تکذبان ـ آه ان القلب لیتفطر اذ یری ان اکثر الناس لایعقلون ـ

محمد سلیم الجابی .